بسم الله الرحمن الرحیم

الٰہی نمائندے(۱۱)

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

تحریر

بنیاد بعثت

ترجمہ : ادارہ آثار سبز امروز

سرشناسه	:	رحیمی، مهدی، ۱۳۳۷ - Rahimi, Mehdi
عنوان قراردادی	:	برگزیدگان: سیری کوتاه در زندگی معصومین . اردو . برگزیده
عنوان و نام پدیدآور	:	الهی نمایندی (۱۱) حضرت امام محمد تقی علیه السلام/ [تالیف مهدی رحیمی]؛ تحریر بنیاد بعثت؛ ترجمه اداره آثار سبز امروز.
مشخصات نشر	:	تهران: آثار سبز، ۱۳۹۵.
مشخصات ظاهری	:	۷۹ ص.
فروست	:	برگزیدگان: سیری کوتاه در زندگی چهارده معصوم؛ ۱۱.
شابک	:	978-600-8566-20-5
وضعیت فهرست نویسی	:	فیپا
یادداشت	:	اردو.
موضوع	:	محمدبن علی (ع)، امام نهم، ۱۹۵ - ۲۲۰ق. -- سرگذشتنامه-- ادبیات نوجوانان
موضوع	:	Muhammad ibn Ali, Imam IX -- Biography-- Juvenile literature
موضوع	:	چهارده معصوم -- سرگذشتنامه -- ادبیات کودکان و نوجوانان
موضوع	:	Fourteen Innocents of Shiite -- Biography -- Juvenile literature*
شناسه افزوده	:	بنیاد بعثت
شناسه افزوده	:	Besat Foundation
شناسه افزوده	:	موسسه آثار سبز امروز
شناسه افزوده	:	Asare Sabz Emroz Institute
رده بندی کنگره	:	۳۶BP/ر۳ب۴۴۰۴۹۵۲ ۱۳۹۵
رده بندی دیویی	:	۲۹۷/۹۵
شماره کتابشناسی ملی	:	۴۴۱۶۱۹۶

مشخصات

کتاب کا نام الٰہی نمائندے (۱۱) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

تحریر	بعثت فاؤنڈیشن
ترجمہ	ادارہ آثار سبز امروز
نظر ثانی	سید نذر امام نقوی
کمپوزنگ	منہال حسین خیر آبادی
ناشر	آثار سبز پبلیکیشن
تعداد	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	۲۰۱۶ پہلا ادیشن
پرایس	ہدیہ
شابک	۹۷۸-۶۰۰-۸۵۶۶-۲۰-۵

فہرست کتاب

فہرست کتاب ۵

مقدمہ ۷

ولادت با سعادت ۱۲

امامت ۱۸

امامؑ اور عوام ۲۲

شادی خانہ آبادی ۴۷

اصحاب امام ۵۸

شہادت امامؑ ٦۷

زرین باتیں ۷۴

مقدمہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زمین پر سب سے خوبصورت اور حیرت انگیز داستان انسانوں کی خلافت کی داستان ہے، اگر ہم اس داستان کو بصیرت سے دیکھیں تو ہمیں یقین ہو جائے گا کہ انسانوں کی مخلوقات پر برتری اور اس کی کرامت اسی الٰہی نعمت اور خدا کی خلافت سے سرفراز ہونے کی وجہ سے ہے، حق تعالی نے انسانوں کو عقل و درایت سے نوازا اور فرشتوں کے سامنے امتحان سے گذارنے کے بعد اپنی امانت یعنی خلافت اور زمین پر جانشینی کے عہدہ کو اس کے سپرد کردیا، یہ وہ امانت تھی جس کو اٹھانے سے آسمان اور زمین نے منع کردیا تھا اور اسے اٹھانے سے اپنے شانے خالی کردیئے تھے۔

خداوند عالم نے اپنی امانت کو منتخب مخلوقات کے حوالے کردیا، یہ وہ مخلوقات ہیں جو علم و حکمت کی فلک شگاف چوٹیوں کی فاتح اور ایمان و عبودیت کی بحر بے کراں تھیں، گناہ و معصیت ایسی چیزیں تھیں جو ان کے وہم و گمان سے بھی ہو کر نہ گذر سکیں اور نہ ہی ان کے ہاتھ نافرمانی سے آلودہ اور ذہن بیہودہ باتوں سے گندے ہوئے۔

یہ پاکیزہ اور طیب و طاہر سلسلہ جو آدم علیہ السلام سے حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخری وصی حضرت حجت ارواحنالہ الفدا تک

جاری و ساری رہا، حقیقت میں خدا اور بندوں کے درمیان فیض رسانی کے وسیلے اور خداوند علام کے فیض و کرم کے بہتے ہوئے دریا تھے، جو بھی اس دریا تک پہنچنے میں کامیاب ہوا وہ اس زلال و پاکیزہ سرچشمہ سے سیراب ہوا، وہ حق کے روضۂ رضوان میں داخل اور مقام صالحین پر فائز ہوا اور اس طرح سعادت و کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

یہ منتخب بندے مخلوقات میں سب سے افضل، مقرب اور پوری کائنات کے سید و سردار تھے، ان میں سے ہر ایک کی اس دور کی زندگی ماورائی علوم اور الٰہی اخلاق و کردار کی مالک ہونے کی بناپر استثنائی اور غیر معمولی رہی اور مختلف اسباب و شرائط کے پیش نظر زندگی کے مختلف شعبوں میں مافوق فطرت امور اور معجزات و کرامات روشن چراغ کی طرح جمگاتے نظر آئے، حضرت نوح علیہ السلام نے ایک ہزار سال عمر کی یہاں تک کہ خدا نے ان کے دشمنوں پر سیلاب کا عذاب نازل کیا، اسی طرح حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کے دشمنوں پر مختلف قسم کے عذاب بھیجے، حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام پروانے کی طرح آتش نمرود میں ڈالے گئے اور خدا کے حکم سے وہ آگ گلزار بنی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا خدا کے حکم سے اژدہا بنا اور پھر فرعونیوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا پر قدرت حاصل ہوئی اور پرندوں سے ان کی زبان میں بات کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا، اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ مختلف معجزات و کرامات کے ساتھ مبعوث ہوئے، آپؐ کی ولادت کے بعد روئے زمین کے سارے بت منہ کے بل زمین پر گر پڑے اور کسریٰ کے محل کے چار کنگورے ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے، فارس کے آتش کدے کی ایک ہزار سال سے روشن آگ بجھ گئی... بہر حال آپ کی ولادت کے بعد کائنات میں کافی تبدیلی

آئی اور بشریت نے ایک نئے اور ترقی یافتہ دور کا آغاز کیا، اس طرح زمین پر انسانوں کی خلافت کی داستان دنیا کی ہر داستان سے زیادہ حیرت آور اور عجائب و غرائب کے درمیان عجوبہ عالم بنی، یہ خدا کی موہبت و نعمت جب بھی اور جس شکل و صورت میں نمایاں ہوئی ہمیشہ اپنے ساتھ حیرت لائی اور کائنات کی تعجب خیزی کا باعث بنی۔

عمومی اور تعجب آور معجزات میں سے ایک معجزہ تمام انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا مکتب میں گھٹنے نہ ٹیکنا ہے، ان میں سے کسی نے بھی علم و حکمت کی تعلیم کے لئے کسی بشری استاد کی بارگاہ میں شاگردی نہیں کی بلکہ ان میں سے ہر ایک خدا کے علوم و معارف سے سیراب ہوا، اسی وجہ سے خدا کے رسولوں اور نبیوں کے درمیان سن و سال اور عمر کی کوئی قید نہ رہی بلکہ تنہا خدا کے ارادے سے یہ امر ہر سن و سال اور عمر کے لئے پورا ہوتا رہا تاکہ سن و سال کی قید کے بغیر انسانوں کی ہدایت کے لئے ہادی اور رسول کی بعثت امکان پذیر رہے جیسا کہ تاریخ کی گواہی کے مطابق انبیاء ادھیڑ عمر بلکہ بڑھاپے میں اس منصب پر فائز ہوئے اور بعض جوانی بلکہ بچپنے میں اس منصب کے عہدہ دار بنے لہٰذا خدا کے ارادے کے پورے ہونے کے لئے کسی حد اور سن و سال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم نے قرآن کریم میں پڑھا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بچپنے میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گہوارے میں رسالت الٰہی کے منصب پر فائز ہوئے، اس

سلسلہ میں قرآن کریم میں وارد ہوا ہے: اے یحییٰ! پوری طاقت سے کتاب کو تھامو اور ہم نے بچپنے میں انہیں نبوت عطا کی۔[1]

اسی قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے: "سوال کیا گیا کہ کیونکر ہم اس بچے سے ہمکلام ہو سکتے ہیں جو ابھی گھوارے میں ہے پس وہ بچہ گویا ہوا: بے شک یں خدا کا منتخب بندہ ہوں جس نے مجھے کتاب دی اور رسالت سے نوازا۔[2]

پس جو لوگ صرف اس وجہ سے ہمارے بعض ائمہؑ کی امامت پر اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر وہ بچپنے میں امامت کے عہدہ پر فائز ہو سکتے ہیں تو وہ سخت غلطی پر ہیں اور مذکورہ گواہی کے شہود کے بعد ایسا اعتراض ان کی نادانی اور کم علمی کا ثبوت ہے۔

حضرت امام ابو جعفر محمد جواد علیہ السلام امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشنگوئی اور ان کے بعد آنے والے ائمہ معصومین علیہم السلام کی گواہی نیز امام رضا علیہ السلام کا نویں امامؑ کو منصب امامت کے لئے منتخب کرنے کی وجہ سے آٹھ یا نو سال کی عمر میں زمین پر خدا کی جانب سے منصب امامت پر فائز ہوئے ، کمسنی کے پیش نظر آپؑ کے ساتھ بہت بار ایسا اتفاق پیش آیا کہ نادانوں اور دشمن نے آپؑ کو آزمانے کی کوشش کی لیکن آپؑ کے علوم و معارف کی ضوفشانیاں اتنی شدید اور مسلم تھیں کہ حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت کو ثابت کرنے کے

[1] ۔ قرآن کریم، سورہ مریم، آیت ۱۱

[2] سابق حوالہ، آیت ۲۸۔۲۹

لئے آپؑ کی امامت کو بطور شاہد پیش کرنا چاہئے نہ کہ ہم ان دونوں نبیوں کی نبوت کو نویں امامؑ کی امامت کو ثابت کرنے کے لئے پیش کریں۔

ولادت باسعادت

آٹھویں امام کی عمر گرانقدر کے چالیس سال پورے ہوئے تھے لیکن دولت حق سے ابھی تک فرزند کی نعمت نہیں ملی تھی ، یہ مسئلہ امام علیہ السلام کے چاہنے والوں کے لئے کافی شاق تھا اس لئے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اور بقیہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی پیشنگوئی اور روایتوں کی وجہ سے یہ عقیدہ تھا کہ آٹھویں امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہما السلام کا ایک فرزند ہوگا جو آپؑ کے بعد امر امامت کا عہدہ دار، کائنات کا رہبر اور رسول گرامی اسلام ﷺ کی ناتمام رسالت کو تکمیل کرنے کا ذمہ دار ہوگا، اسی عقیدہ کی بناپر ہر شیعہ اپنے نویں امامؑ کی آمد کا سخت منتظر تھا اور ہر شیعہ دل ہی دل میں امام رضا علیہ السلام کے لئے فرزند کی دعائیں کر رہا تھا، حقیقت یہ ہے کہ خدا کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، آٹھویں امامؑ کے یہاں ولادت میں تاخیر شیطانی وسوسوں کے شکار، سست اور بے ایمان لوگوں کے لئے ایک بہت بڑا امتحان تھا تاکہ کھرے اور کھوٹے الگ الگ ہو جائیں، جو لوگ ایمان میں راسخ اور پکے تھے انہیں پورا یقین تھا کہ خدا کا وعدہ ضرور پورا ہوگا اور پوری امید کے ساتھ وعدہ الٰہی کے پورا ہونے کے لئے لحظہ شماری کر رہے تھے لیکن سست ایمان رکھنے والے لوگ انتظار کی کٹھن صعوبتوں سے گھبرا کر جب امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوتے تو خود آپؑ سے عرض کرتے کہ اپنے لئے خدا سے دعا کریں کہ کوئی بیٹا عنایت کرے اور آپؑ

بھی بڑی نرمی اور مہربانی سے جواب دیتے: خدا مجھے ایک بیٹا عنایت کرے گا جو میرے بعد میرے علوم کا وارث اور امام ہوگا۔[1]

وہ موعود گھڑی آپہنچی ، وہ مبارک دن ماہ رجب ۱۹۵ھ ق کی دسویں تاریخ تھی، جب ہمارے نوین امام حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اس دنیامیں تشریف لائے ،آپؑ کا نام محمد، کنیت ابو جعفر اور آپؑ کے مشہور القاب تقی اور جواد تھے۔

نویں امامؑ کی ولادت باسعادت شیعوں کی خوش اقبالی، جشن و سرور اور ان کے ایمان و عقیدے کے استحکام کا باعث ہوئی ، اس لئے کہ آپؑ کی ولادت سے ان شیعوں کے دلوں سے شبہات کی گندگی دور ہو گئ جو اس امر میں تاخیر کی وجہ سے ان کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔

امام جواد علیہ السلام کی مادر گرامی کا نام" سبیکہ" تھا لیکن امام رضا علیہ السلام نے ان کا نام" خیزران" رکھا تھا، یہ متقی و پرہیزگار بی بی" ماریہ قبطیہ" کے خاندان سے تھیں، ماریہ قبطیہ پیغمبر اکرم ﷺ کی زوجہ گرامی تھیں اور آپ سے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا جس کا نام پیغمبر ﷺ نے ابراہیم رکھا تھا، نویں امامؑ کی والدہ ماجدہ اپنے دور کی بافضیلت ترین خاتون تھیں ،آپؑ کے نام پیغمبر اکرم ﷺ نے دنیا کی بافضیلت خواتین میں شمار کیا ہے۔[2] اسی طرح ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے امام رضا علیہ السلام کے دولتکدہ میں اس عظیم بی بی کے قدم پڑنے سے پہلے آپ کی

---

[1] ۔علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج۵۰، ص ۱۵

[2] ۔ شیخ کلینی، اصول کافی، ج۱، ص ۳۲۳

بعض خصوصیات اور اوصاف کو بیان فرمایا تھا اور اپنے ایک عزیز صحابی "یزید ابن سلیط" کے ذریعہ انہیں سلام کا پیغام بھی بھیجا تھا۔[1]

امام رضا علیہ السلام کی بہن جناب حکیمہ بیان کرتی ہیں: جب امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ قریب ہوا تو میرے بھائی نے مجھ سے درخواست کہ میں خیزران کے پاس رہوں، میری اقامت کے تیسرے دن نومولود نے اس دنیا میں اپنے قدم رکھے، پہلے آسمان کی طرف نگاہ ڈالی اور پھر دائیں بائیں نظر دوڑانے کے بعد کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے رسول اور اسی کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں۔

میں امام جواد علیہ السلام کی گویائی دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئی، بھاگتے ہوئے اپنے بھائی کے پاس آئی اور پورا ماجرا کہہ سنایا، امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: اس کے بعد اس کی جو کرامتیں اور مافوق فطرت امور دیکھو گی وہ اس سے کہیں زیادہ عجیب ہوں گے۔[2]

ابو یحییٰ صنعانی کہتے ہیں: میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب تھا کہ اسی اثنا امام جواد علیہ السلام کو جب کہ آپؑ کے عالم طفلی کا زمانہ تھا، لایا گیا، امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: یہ ایک ایسا مولود ہے جیسا مبارک بچہ ابھی تک شیعوں کے لئے پیدا نہیں ہوا۔[3]

---

[1]۔ سابق حوالہ، ص ۳۱۵

[2]۔ ابن شہر آشوب، مناقب، ج ۴، ص ۳۹۴

[3]۔ محدث قمی، انوار البھیہ، ص ۱۲۵

امام علیہ السلام کا یہ نورانی جملہ اس دلیل کی نشاندہی کر رہا ہے جسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے اس لئے کہ امام جواد علیہ السلام کی ولادت کے ذریعہ مسلمانوں کے اضطراب کے خاتمہ کا باعث ہوا اس لئے کہ وہ اس تشویش میں تھے کہ کہیں امام رضا علیہ السلام کے یہاں ولادت نہ ہو، لہٰذا نویں امامؑ کی ولادت سے انہیں ہر قسم کی شک و تردید سے نجات مل گئی۔

نوفلی کہتے ہیں: جب امام رضا علیہ السلام خراسان کے سفر کا ارادہ کرتے ہیں تو میں نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: مولا! اگر مجھ سے کوئی کام ہو تو میں خدمت میں ہوں۔

فرمایا: تم پر واجب ہے کہ میرے بعد میرے بیٹے محمد کی اطاعت کرنا اس لئے کہ میں ایک ایسے سفر پر جا رہاں جس سے بازگشت نہیں ہے۔[1]

محمد بن ابی عباد جو امام رضا علیہ السلام کے کاتب تھے، کہتے ہیں: امام رضا علیہ السلام اپنے بیٹے امام جواد علیہ السلام کے احترام میں انہیں کنیت سے یاد فرمایا کرتے تھے اور جب بھی امام جواد علیہ السلام کی جانب سے کوئی خط آتا تو فرماتے: یہ خط ابو جعفر نے میرے نام لکھا ہے...۔ اور جب میں امام رضا علیہ السلام کے حکم سے ابو جعفر امام جواد علیہ السلام کو خط لکھتا تو آپؑ انہیں بڑی عظمت اور احترام سے مورد

[1]۔ شیخ صدوقؒ، عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۲۱٦

خطاب قرار دیتے، جو خطوط امام جواد علیہ السلام کی طرف امام علیہ السلام کے نام آتے اس میں فصاحت و بلاغت کی انتہا ہوا کرتی تھی۔[1]

محمد ابن ابی عباد کہتے ہیں: میں نے امام رضا علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: میرے بعد میرے خاندان میں ابو جعفر میرا وصی، جانشین ہوگا۔[2]

معمر بن خلاد کہتے ہیں: کبھی کبھی جب امام رضا علیہ السلام سے کوئی سوال کیا جاتا تو فرماتے: یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس سوال کا جواب میں ہی دوں، ابو جعفر ہیں، انہیں میں نے اپنا جانشین بنایا ہے اور انہیں اپنا مقام عطا کیا ہے، جو بھی سوال یا مشکل در پیش ہو وہ جواب دیں گے، ہم ایسے خاندان سے ہیں جو اپنے آباء و اجداد سے پوری طرح علوم اور معارف کو میراث میں پاتے ہیں۔[3]

امام رضا علیہ السلام کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ بعد والا امام اپنے پہلے والے امام سے تمام علوم والٰہیہ کو بطور ارث حاصل کرتا ہے، یہ موہبت صرف اور صرف ائمہ معصومین علیہم السلام سے مخصوص ہے اور ان کی اولاد کے لئے نہیں ہے۔

خیرانی اپنے والد ماجد سے نقل کرتے ہیں: خراسان میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب تھا کہ کسی نے آپؑ سے سوال کیا: اگر خدا نخواستہ آپؑ کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے تو آپؑ کے بعد ہم کس کی طرف رجوع کریں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے بیٹے ابو جعفر کی طرف رجوع کرنا۔

---

[1]۔ سابق حوالہ، ص ۳۴۰

[2]۔ شیخ مفید، الارشاد، ص ۲۹۴

[3]۔ شیخ کلینی، کافی، ج ۱، ص ۳۲۲

سائل کے سوال سے سمجھ میں آرہا ہے کہ وہ امام جواد علیہ السلام کو امامت کے لئے کافی نہیں سمجھتا تھا اس لئے کہ اس کے ذہن میں یہ بات سماں نہیں پا رہی تھی کہ ایک کمسن بچہ اتنی بڑی ذمہ داری کیونکر سنبھال سکتا ہے، جب امام رضا علیہ السلام نے سائل کی اس کیفیت کو مشاہدہ کیا تو فرمایا: جب خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے لئے منتخب کیا تو اس وقت ان کی عمر ابو جعفر کی موجودہ عمر سے کہیں زیادہ کم تھی۔

عبد اللہ بن جعفر کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں صفوان بن یحییٰ کے ہمراہ امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا، اس وقت امام جواد علیہ السلام کی عمر کوئی تین سال تھی، آپؑ بھی اس مجلس میں موجود تھے، میں نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اگر آپؑ کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے تو ہم کس کی طرف رجوع کریں؟

امام رضا علیہ السلام نے ابو جعفرؑ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: میرا یہ بیٹا ہے جس کی طرف تم لوگ رجوع کروگے۔

میں نے سوال کیا: اس عمر میں؟

امام رضا علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں!

اسی سن و سال میں خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی حجت بنایا جب کہ اس وقت ان کی عمر تین سال بھی نہ تھی۔[1]

---

[1] ۔علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج۵۰، ص ۳۵

امامت

امامت نبوت کی طرح ایک الٰہی عطیہ اور نعمت ہے جسے وہ اپنے منتخب اور شائستہ بندوں کو عطا کرتا ہے، اس عنایت سے سرافرازی کے لئے سن و سال کی کوئی شرط نہیں ہے لیکن جن لوگوں نے نبوت و امامت کے لئے بچپنے کو مشکل ساز اور بعید از امکان سمجھتے ہیں حقیقت میں انہوں نے ایسے الٰہی اور آسمانی عطیہ اور نعمت کو بشری اور معمولی مسائل سے موازنہ کرنے کی سخت غلطی کی ہے جب کہ یہ دونوں گرانقدر چیزیں خداوند عالم کے ارادہ اور مشیت سے وابستہ ہیں اور صرف انہیں بندوں کو اس نعمت سے نوازتا ہے جن کی لیاقت و صلاحیت کا امتحان اپنے بے کراں علم و حکمت سے لے چکا ہو، لہٰذا یہ امر ہرگز غیر ممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے علم و حکمت سے کسی نامعلوم مصلحت یا منافق کو مومنوں کی صفوں سے باہر نکالنے اور اس دور کے لوگوں کو آزمانے کے لئے ایک بچہ کو ایسا بڑا عہدہ عنایت کردے اور اسے بچپنے میں منصب امامت یا منصب نبوت پر فائز کردے۔

نویں امام حضرت جواد علیہ السلام آٹھ یا نو سال کی عمر میں منصب امامت پر فائز ہوئے۔

معلٰی بن خنیس کہتے ہیں: امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب میں نے امام جواد علیہ السلام کو دیکھا تو میں نے آپؑ کے پورے حلیہ کا جائزہ لیا تا کہ آپؑ کے

اوصاف کو شیعوں کے لئے بیان کر سکوں، امام علیہ السلام تشریف فرما ہوئے اور مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے معلیٰ! خداوند عالم نے نبوت کی طرح امر امامت میں بھی دلیل و برہان کا انتظام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے یحییٰ کو بچپنے میں نبوت عطا کی ہے[۱]

محمد بن حسن بن عمار کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ دو سال تک امام رضا علیہ السلام کے چچا جناب علی بن محمد کے پاس جایا کرتا تھا، وہ میرے لئے اپنے بھائی حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی روایتوں کو بیان کرتے اور میں انہیں لکھا کرتا، ایک روز مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اسی اثنا مسجد میں امام جواد علیہ السلام وارد ہوئے، جناب علی بن جعفر فوراً جوتیوں اور ردا کے بغیر اٹھے اور امامؑ کی خدمت میں پہنچ کر آپؑ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور بہت تعظیم و تکریم کی۔

امام جواد علیہ السلام نے فرمایا: چچا جان! تشریف رکھیں، خدا آپ پر رحمت نازل کرے۔

عرض کیا: میرے آقا! میں کیونکر بیٹھ سکتا ہوں جب کہ آپؑ ابھی تک کھڑے ہوئے ہیں؟

جب جناب علی بن جعفر خیریت دریاف کرنے کے بعد اپنی جگہ واپس لوٹے تو ان کے دوستوں نے حد سے زیادہ تعظیم و تکریم پر ان کی سرزنش کی اور کہنے لگے: آپ نے ان کا اتنا زیادہ کیوں اکرام کیا جب کہ آپؑ ان کے والد کے چچا ہیں؟

۱۔ شیخ مفید، ارشاد، ص ۳۰۶

جناب علی بن جعفر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا: خاموش رہو، اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو اپنی سفید داڑھی پر پھیرتے ہوئے کہا: خدا نے ایسے سفید محاسن کو امر امامت کے لئے لائق نہیں جانا ہے لیکن اس نے اس جوان کو اس امر کا اہل پایا اور اسے امام بنایا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان کی فضیلتوں کا انکار کردوں؟! اس وقت تم لوگوں نے جو کچھ کہا ہے میں اس سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں، میں تو صرف اسی کا بندہ اور غلام ہوں۔[1]

عمر بن فرج بیان کرتے ہیں: امام جواد علیہ السلام کے ساتھ دجلہ کے کنارے کھڑا ہوا تھا، امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: آپؑ کے شیعوں کا دعویٰ ہے کہ آپ کو دجلہ ندی کا وزن معلوم ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا خدا میں اتنی قدرت ہے کہ اس علم کو ایک مچھر کے سپرد کرسکے؟

میں نے عرض کیا: ہاں! خدا اس امر پر پوری طرح قادر ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پس جان لو! میں خدا کی بارگاہ میں ایک مچھر بلکہ ساری مخلوقات سے افضل ہوں۔[2]

علی بن حسان واسطی سے نقل ہوا ہے، وہ کہتے ہیں: جب امام جواد علیہ السلام کا بچپنا تھا تو ایک مرتبہ میں نے کچھ کھلونے اس غرض سے خریدے کہ انہیں امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ کروں گا، اسی غرض سے امام علیہ السلام کی

---

[1] ۔ شیخ کلینی، اصول کافی، ج۱، ص ۳۲۲

[2] ۔ علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۰۰

خدمت میں حاضر ہوا، وہاں کچھ لوگ موجود تھے جو اپنے سوالات کے جوابات حاصل کررہے تھے، جب ان کے سوالات ختم ہوگئے اور وہ سب اپنے سوالوں کے جوابات لے کر چلے گئے تو امام جواد علیہ السلام کھڑے ہوئے اور چلنے لگے، میں بھی ساتھ میں ہولیا اور آپؑ کے خادم سے ملاقات کی اجازت مانگی، خدمت میں پہنچا، سلام کیا، آپؑ نے میرے سلام کا جواب دیا، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ امام علیہ السلام ناراض ہیں اس لئے کہ آپؑ نے مجھے بیٹھنے کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی، پھر بھی میں آگے بڑھا اور وہ کھلونے آپؑ کی خدمت میں تقدیم کئے، امام علیہ السلام انہیں دیکھ کر غصہ سے انہیں کنارے کرتے ہوئے فرمایا: خدا نے مجھے کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا ہے، مجھے کھیل کود سے کیا سروکار ہوسکتا ہے؟

میں ان کھلونوں کو واپس لیا، معافی مانگی، آپؑ نے مجھے معاف کردیا اور پھر میں آپؑ کی خدمت سے روانہ ہوگیا۔[1]

---

[1]۔ طبری، دلائل الامامۃ، ص ۲۱۲

امامؑ اور عوام

امام رضا علیہ السلام کی اندوہناک شہادت کے بعد آپؑ کے فرزند ارجمند امام محمد تقی علیہ السلام خدا کے فرمان سے امامت جیسے عظیم و سنگین منصب کے عہدہ دار ہوئے، تاکہ ایک ایسے دور اور زمانے کی رہبری کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے سکیں جس میں شیعوں پر ہر طرف سے شبہات کی وحشتناک بارش ہو رہی تھی، ان کی رہبری کا بیڑا سنبھالیں اور اسے منزل مقصود تک پہنچادیں، امام جواد علیہ السلام نے اپنی مبارک اور مختصر زندگی کا کچھ حصہ اپنے اجد امجد رسول اللہ ﷺ کے مزار کے پاس مدینہ میں اور کچھ ایام عباسیوں کی ظالمانہ و جابرانہ حکومت کے دارالحکومت بغداد میں گذارے، آپؑ نے کوئی فرصت ہاتھ جانے نہیں دی بلکہ ہر موقع پر شیعوں کے دلوں سے شبہات دور کرتے رہے، دشمنان تشیع اور اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اپنی امامت کی حقانیت کو ثابت کرتے رہے، خدادادی علوم و معارف کی مدد سے دشمنوں کا بولتا ہوا منہ بند کردیتے اور لوگوں کے اذہان سے قسم قسم کے گمراہ کن شکوک کو برطرف فرماتے اور انہیں راہ مستقیم کی طرف رہنمائی فرماتے۔

امام جواد علیہ السلام نے اپنی پوری بابرکت زندگی میں قرب و جوار کے دانشمندوں، علما اور صاحبان مکاتب آپؑ سے ملاقات کے لئے آتے تھے، یا وہ اپنے نمائندے روانہ کرتے تھے، ان سے مناظرے کئے، اور ہر بار اپنی وحیانی بیان کے ذریعہ

حق و حقیقت کے شیدائیوں کو رضوان الٰہی کی طرف رہنمائی کرتے، ہم ذیل میں ایسے ہی چند موارد کو بیان کرتے ہیں؛

آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہما السلام کی شہادت کے بعد شہر بغداد اور دیگر شہروں کے اسی علما، فقہا اور حکماء حج کی غرض سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے، مکہ کے سفر میں وہ سب سے پہلے مدینہ پہنچے تاکہ اس طرح امام محمد تقی علیہ السلام سے ملاقات کرسکیں، وہ لوگ امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر میں اترے جو اس وقت خالی تھا، امام جواد علیہ السلام جو اس وقت طفل معصوم تھے، ان کے درمیان پہنچے، ایک شخص جس کا نام "موفق" تھا، اس نے حاضرین کے سامنے امام جواد علیہ السلام کا تعارف کروایا، سبھی لوگ احترام واکرام کے لئے کھڑے ہوئے، سلام کیا، امام علیہ السلام نے ان کے سلام کا جواب دیا، اس کے بعد حاضرین نے متعدد سوالات کئے اور امام علیہ السلام نے شافی وکافی اور مدلل جواب دئے، آپؑ کے مدلل اور متقن بیان کو مشاہدہ کرنے کے بعد سبھی لوگوں کو آپؑ کی امامت کا یقین ہوگیا اور وہ مطمئن ہوگئے اور بڑی خوشحالی کے ساتھ آپ کی تعریف و تمجید کی اور دعائیں دیں۔

انہیں لوگوں کے درمیان ایک شخص تھا جس کا نام "اسحاق" تھا، وہ بیان کرتا ہے: میں نے بھی ایک کاغذ پر دس سوال لکھے تھے تاکہ ان کے جوابات امام جواد علیہ السلام سے معلوم کرسکوں، میں نے دل ہی دل میں یہ عہد کرلیا تھا کہ اگر امام علیہ السلام نے ان دس سوالوں کے جواب کافی و شافی اور متقن دے دیئے تو میں ان سے دعا کی درخواست کروں گا کہ میری بیوی جو اس وقت حاملہ ہے، اس سے خداوند عالم مجھے ایک فرزند نرینہ عنایت کرے، مجلس کافی طولانی ہوچکی تھی، لوگ سوال پر سوال

کئے جارہے تھے اور امام علیہ السلام کسی ہچکچاہٹ کے بغیر ہر سوال کا جواب دے رہے تھے، آخر کار تھک گیا اور جانے کا ارادہ بنالیا اور سوچا کل دوبارہ آپؑ کی خدمت میں حاضری دوں گااور اپنے سوالوں کا جواب حاصل کرلوں گا، اب جیسے ہی میں نے اس ارادے سے اٹھنے کی کوشش کی امام جواد علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اسحاق! خداوند عالم نے تیرے حق میں میری دعا کو مستجاب کرلیا ہے، اپنے بیٹے کا نام احمد رکھنا۔

امام جواد علیہ السلام کا یہ کلام سن کر بہت خوشحال ہوااور آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: ساری تعریفیں خدا کے لئے ہیں، حقا کہ یہ وہی حجت خدا ہیں۔

اسحاق اپنے وطن واپس لوٹے، خدا نے انہیں ایک بیٹا عنایت کیا جس کا نام انہوں نے احمد رکھا۔[۱]

* * *

عمران ابن محمد اشعری سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا، اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: ام الحسن نے آپؑ کو سلام کہلوایا ہے اور درخواست کی ہے کہ اسے اپنا کوئی لباس عنایت فرمادیں تاکہ اسے اپنا کفن بنا سکیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اب اسے اس لباس کی ضرورت نہیں رہی۔

۱۔ شیخ حسین بن عبد الوہاب، عیون المعجزات، ص۱۰۹

میں امام علیہ السلام کی بیان کا مطلب سمجھے بغیر باہر آگیا اور جب اپنے شہر واپس لوٹا ہوں تو مجھے خبر دی گئی کہ ام الحسن امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہونے سے کوئی تیرہ یا چودہ دن پہلے انتقال کر گئیں ہیں۔[1]

* * *

احمد بن حدید کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں شیعوں اور جملہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ہمراہ حج کی غرض سے مکہ جانب روانہ ہوا، ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کردیا، ہمارے مال و اسباب لوٹ لئے ، ہم خالی ہاتھ مدینہ پہنچے ، امام جواد علیہ السلام سے میری ملاقات مدینہ کی ایک گلی میں ہو گئی ، میں آپؑ کے ساتھ بیت الشرف پہنچا اور سفر کا سارا ماجرا کہہ سنایا، آپؑ نے غلام کو حکم دیا کہ کچھ لباس اور پیسے خدمت میں حاضر کرے اور مجھے حکم دیا کہ تمہارے ساتھیوں کے جتنے پیسے لوٹے گئے ہیں، اسی کے مطابق ان کے درمیان تقسیم کردو ، میں وہ کپڑے اور پیسے لے کر اپنے قافلہ میں واپس آیا اور ان کے درمیان وہ پیسے تقسیم کردئے ، امام علیہ السلام نے مجھے جس تعداد درہم و دینار دیئے تھے ان کی تعداد بالکل لوٹی گئی رقم کے برابر تھی نہ ایک سکہ تھا اور نہ ایک سکہ زیادہ تھا۔[2]

* * *

---

[1]. قطب راوندی، خرائج، ص ۲۳۷

[2]۔ علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۴۴

محمد بن سہل قمی سے نقل ہوا ہے : میں ایک مدت تک مکہ میں مقیم رہا، ایک مرتبہ وہاں سے مدینہ پہنچا اور امام جواد علیہ السلام کے بیت الشرف حاضری دینے کا ارادہ کیا تاکہ آپؑ سے درخواست کرسکوں کہ مجھے اپنا کوئی لباس عنایت کریں لیکن جب تک مدینہ میں رہا مجھے حاضری دینے کی فرصت نہیں ملی تاکہ آپؑ کی خدمت میں اپنا مقصود بیان کرسکتا، پس میں نے سوچا کہ اپنی درخواست ایک خط میں لکھ کر پیش کروں ، وہ درخواست لکھی لیکن اسے ارسال کرنے سے پہلے ارادہ بنایا کہ مسجد النبی ﷺ جاؤں اور دو رکعت نماز ادا کروں اور سو مرتبہ خداوند عالم سے خیر وصلاح کی دعا کروں پس اگر میرے ذہن میں الہام ہوگیا کہ اسے بھیج دوں تو ارسال کردوں گا وگرنہ اسے پھاڑ دوں گا لیکن نماز و دعا کے بعد میرے ذہن میں ایسا خیال آیا کہ اسے پھاڑ دوں، پس میں نے ایسا ہی کیا اور مکہ کی جانب روانہ ہوگیا، راستے میں ایک شخص کو دیکھا جو قافلوں گھوم گھوم کر مجھے تلاش کر رہا ہے، میں اس کے پاس پہنچا اور اسے اپنا تعارف کرایا، اس نے مجھے وہ گٹھری دی اور کہا: تمہارے مولا امام جواد علیہ السلام نے تمہارے لئے اسے بھیجا ہے۔

جب میں نے وہ گٹھری کھولی تو دیکھا کہ امام جواد علیہ السلام نے اپنا ایک لباس میرے لئے ارسال کیا ہے۔[1]

* * *

---

[1]۔ سابق حوالہ

مکار اور ظالم عباسی خلیفہ مامون نے ایک سازش کے تحت حضرت امام جواد علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد آنے کی دعوت دی اور امام علیہ السلام کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے کے لئے اپنی ایک بیٹی سے شادی کروادی، امام جواد علیہ السلام کچھ مدت تک شہر بغداد میں مقیم رہے اور پھر مدینہ واپس لوٹ گئے۔

جب امام علیہ السلام بغداد سے نکلے تو کچھ چاہنے والوں نے وداع کے لئے شہر کے باہر تک آپؑ کی مشایعت کی۔

شام ہو چکی تھی اور یہ قافلہ چلتے چلے شہر بغداد کی ایک قدیمی مسجد تک پہنچا، امام سواری سے پیادہ ہوئے اور اس قدیمی مسجد میں وارد ہوئے تاکہ نماز مغرب ادا کر سکیں، مسجد کے صحن میں بیر کا ایک قدیمی درخت تھا جس پر کافی زمانے سے پھل لگنا بند ہو گئے تھے، آپؑ نے وضو کی غرض سے پانی طلب کیا اور اس درخت کی جڑوں کے پاس بیٹھ کر وضو کیا اور نماز مغرب جماعت کے ساتھ ادا فرمائی، اس کے بعد چار رکعت نماز نافلہ پڑھی اور سجدہ شکر بجالائے، اس کے بعد حاضرین سے خداحافظی کی اور دوبارہ چل پڑے۔

دوسرے دن شام ہوتے ہی اس بیر کے درخت میں پھل آگئے، اس پر بیر کا پھل دیکھ کر لوگ بہت حیرت زدہ ہوئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ امام جواد علیہ السلام حجت خدا ہیں، شیعوں کے عظیم عالم دین جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ سے نقل ہوا ہے:

میں نے اس واقعہ کے دو سو سال بعد اس مسجد کے صحن میں بیر کے درخت کو دیکھا اوراس کے پھل کھائے ہیں۔[1]

امیہ بن علی کہتے ہیں: جب امام رضا علیہ السلام کا قیام خراسان میں تھا، اس وقت میں مدینہ میں تھا اور امام جواد علیہ السلام کے بیت الشرف پر میرا مسلسل آنا جانا تھا، عموماً آپؑ کے قرابتدار عرض سلام کے لئے خدمت اقدس میں مشرف ہوتے، ایک مرتبہ آپؑ نے اپنی ایک کنیز کو حکم دیا کہ وہ تمام رشتہ دار خواتین کو یہ پیغام دے دے کہ وہ مجلس و ماتم کے لئے تیار ہو جائیں، دوسرے آپؑ نے حکم دیا کہ وہ عزاداری کے لئے تیار ہو جائیں، جب امام جواد علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ ہم کس کے لئے عزاداری کریں تو آپؑ نے فرمایا: اس زمین کے سب سے بہترین اور افضل انسان کے لئے۔

کچھ دنوں بعد امام رضا علیہ السلام کی شہادت کی خبر پہنچی اور پھر معلوم ہوا کہ جس دن امام جواد علیہ السلام نے بنی ہاشم کی عورتوں کو حکم دیا تھا کہ مجلس و ماتم کی تیاری کریں، اسی دن مامون نے امام رضا علیہ السلام کو زہر دغا سے شہید کر دیا تھا۔[2]

* * *

عباسیوں کا قاضی القضاۃ یحییٰ ابن اکثم فاسق و فاجر اور ایک بدکار انسان تھا، وہ خاندان نبوت و امامت کا سب سے بڑا دشمن تھا، اپنی دشمنی اور عداوت کے باوجود وہ ایک مقام پر اعتراف کرتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے مزار کے

---

[1]۔ شبلنجی، نور الابصار، ص ۱۷۹

[2]۔ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۳۳۴

پاس امام جواد علیہ السلام سے ملاقات کی، میں نے مختلف موضوعات پر مختلف سوالات کیئے، مناظرے کیئے اور امام جواد علیہ السلام نے میرے تمام سوالوں اور اعتراضوں کا جواب نہایت مدلل دیئے، آخر میں عرض کیا: خدا کی قسم! میں ایک آخری سوال کا جواب معلوم کرنا چاہتا ہوں لیکن اسے بیان کرنے سے شرم محسوس کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارے اس سوال کا جواب بغیر تمہارے بیان کیئے دیتا ہوں، کیا تم یہ سوال نہیں کرنا چاہتے کہ امام کون ہے؟

عرض کیا: ہاں! خدا کی قسم! میں یہی سوال کرنا چاہتا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں امام ہوں۔

عرض کیا: کیا آپ کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے؟

اتنے میں امام کے ہاتھوں میں موجود عصا گویا ہوا: یہ میرے مولا، اس دور کے امام اور خدا کی حجت ہیں۔[1]

* * *

علی بن جریر سے نقل ہوا ہے: ایک مرتبہ میں امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا، اسی ہنگام امام جواد علیہ السلام کے بیت الشرف سے ایک بھیڑ گم ہو گئی، امام علیہ السلام کے ایک ہمسایہ کو اس بھیڑ کی چوری کے الزام میں کشاں کشاں خدمت اقدس میں پیش کیا گیا، امام علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگوں پر وائے ہو!

[1] ۔ شیخ کلینی، اصول کافی، ج۱، ص ۳۵۳

اسے چھوڑو! اس نے بھیڑ کی چوری نہیں کی ہے، وہ بھیڑ اس وقت فلاں گھر میں ہے جاؤ، وہاں سے لے کر آؤ۔

امام علیہ السلام کی بتائی ہوئی نشانی پر اس گھر میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بھیڑ وہیں پر ہے اور اس گھر کے مالک کو چوری کے الزام میں گرفتار کیا، اس کی خوب پٹائی کی اور اس کے کپڑے پھاڑ دیئے، لیکن وہ قسمیں کھا رہا تھا کہ اس نے ہرگز اس بھیڑ کی چوری نہیں کی ہے۔

اسے امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا، امام علیہ السلام نے لانے والوں پر غصہ کیا اور فرمایا: تم لوگوں پر وائے ہو! تم نے اس شخص پر ظلم کیا، یہ بھیڑ خود اس کے گھر میں داخل ہو گئی تھی اور اسے اس امر کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔

جب اصل حقیقت برملا ہوئی تو امام علیہ السلام نے اس کی دلجوئی کی اور جو کچھ بھی اس کا نقصان ہوا تھا، تمام و کمال اسے دیا۔[1]

* * *

علی بن خالد نقل کرتے ہین: جب میں شہر سامرا میں تھا تو مجھے خبر ملی کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑ کر شام سے یہاں لا کر قیدی بنایا گیا ہے اور یہ مشہور تھا کہ اس کا جرم یہ ہے کہ اس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔

میں حقیقت جاننے کی غرض سے اس کے قید خانے پہنچا، قید خانہ کے داروغہ اور زندابانوں کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا یہاں تک ان لوگوں نے مجھے

---

[1] علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۵۰۔ ص ۴۷

اس قیدی سے ملنے کی اجازت دے دی جب میں نے اس قیدی سے ملاقات کی تو اسے ایک سمجھ دار اور عقلمند انسان پایا، اس سے میں نے سوال کیا: مجھے حقیقت امر کے سلسلہ میں بتاؤ کہ کیونکر اس مشکل میں مبتلا ہوئے ہو؟

اس نے کہا: شام میں ایک جگہ ہے جسے لوگ " راس الحسینؑ" کے نام سے جانتے ہیں اور وہاں کے لئے مشہور ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس وہیں نصب کیا گیا تھا، میں وہاں پہنچا اور عبادت میں مشغول ہوگیا، یہ میرا روزانہ کا دستور ہوگیا تھا، ہر روز جاتا اور وہیں عبادت کرتا ایک رات کا واقعہ ہے کہ جب میں اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول تھا کہ ناگہاں اپنے سامنے ایک شخص کو دیکھا، اس نے مجھے حکم دیا کہ اٹھو!

میں اس کے فرمان پر کھڑا ہوا اور کسی بات چیت کے بغیر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا، ہم لوگ کچھ ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ ہم نے اپنے آپ کو مسجد کوفہ میں دیکھا ،اس ناشناس شخص نے مجھ سے سوال کیا: کیا تم اس مسجد کو پہچانتے ہو؟

میں نے عرض کیا: ہاں! یہ مسجد کوفہ ہے۔

میں نے اس ناشناس شخص کے ساتھ وہاں نمازیں پڑھیں اور پھر وہاں سے باہر نکل آئے، پھر تھوڑی دور چلے تھے کہ اپنے آپ کو مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں پایا، ہم نے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانی مزار کی زیارت کی اور نماز پڑھی، اس کے بعد باہر آئے اور پھر تھوڑی دور چلے تھے کہ اپنے آپ کو ہم نے مکہ معظّمہ خانہ کعبہ میں پایا، وہاں ہم نے کعبہ کی زیارت کی اور نماز وغیرہ پڑھ کر باہر آئے، ابھی تھوڑی دور چلے تھے

کہ اپنے آپ کو سابق مقام شام میں " راس الحسینؑ" کے پاس پایا، اس کے بعد وہ ناشناس شخص میری نظروں سے نہاں ہوگیا۔

اس وقت میرے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا میں اس سے بہت متعجب اور حیران تھا لیکن کسی کو بھی اس ماجرا سے باخبر نہیں کیا، یہاں تک کہ ایک سال گذر گیا، ایک رات پھر میں نے اسی ناشناس شخص کو دیکھا جو ظاہر ہوا اور حسب سابق ہمراہ ہونے کا حکم دیا۔

میں اٹھا اور اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا، پچھلے سال کی طرح اس سال بھی وہ کچھ ہوا لیکن اس بار جب وہ مجھے چھوڑ کر جانے لگا تو میں نے اسے قسمیں دی کہ وہ مجھے بتائے کہ وہ کون ہے؟ جب میں نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو اس نے فرمایا: مٰں محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہوں۔

جب میں نے اس واقعہ کو اپنے بعض دوستوں کے سامنے بیان کیا تو یہ خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور گھومتے گھومتے یہ خبر عباسی خلیفہ معتصم کے وزیر محمد بن عبدالملک زیات تک پہنچی، اس نے حکم دیا کہ مجھے گرفتار کرلیا جائے اور زنجیروں میں جکڑ کر یہاں سامرا لایا جائے اور قید خانے میں قید کردیا جائے اور پورے شہر میں یہ افواہ پھیلادی جائے میں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔

علی بن خالد کہتے ہیں: میں نے اس سے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو ہمیں اصل حقیقت کو ایک خط کے ذریعہ زیات کو باخبر کروں شاید یہ ممکن ہے کہ اسے اصل ماجرا

کی خبر نہ ہو اور اسے جھوٹی خبر دی گئی ہو اس صورت میں تمہاری آزادی کا بہت زیادہ امکان ہے، اگر مائل ہو تو میں لکھ بھیجوں؟

اس نے کہا: کوئی بات نہیں، لکھ سکتے ہو۔

میں نے ایک خط کے ذریعہ معتصم کے زیر زبات کو سارا ماجرا لکھ بھیجا، اس نے میرے خط کی پشت پر یوں جواب لکھ کر بھیجا: جاؤ اس قیدی سے کہہ دو کہ جس نے اسے ایک رات میں شام سے کوفہ، کوفہ سے مدینہ، مدینہ سے مکہ اور مکہ سے دوبارہ شام لوٹایا ہے وہی شخص دوبارہ اس کو اس قیدخانے سے آزاد کرا کر اپنے ساتھ لیتا جائے۔

جب میں نے اس کا یہ جواب پڑھا تو بہت غمگین ہوا، دوسرے دن میں اس کے قیدخانے پہنچا تاکہ اصل ماجرا سے اس قیدی کو باخبر کرسکوں اور اسے صبر و شکیبائی کی سفارش کرسکوں، جب میں قیدخانے پہنچا تو وہاں سارے سپاہیوں اور داروغہ کو مضطرب پایا، پس جب میں نے اصل ماجرا پوچھا تو پتہ چلا کہ جس قیدی نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا وہ کل رات قیدخانے سے فرار ہوگیا ہے لیکن اس کے نکلنے کا کوئی سراغ نہیں مل رہا ہے کہ وہ کیونکر باہر نکلا ہے؟ کیا زمین نے اسے اپنے اندر نگل لیا ہے یا وہ آسمان میں پرواز کرگیا ہے۔[1]

* * *

[1] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ص ۳۰۴

امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپؑ کے مقرب اور مورد اعتماد صحابی ابوالصلت ہروی کو ظالم و جابر اور مکار عباسی خلیفہ مامون کے حکم سے قید خانے میں ڈال دیا گیا، وہ بیان کرتے ہیں:

میں قید خانے میں جانے کے بعد ایک سال تک وہیں رہا، یہ ایک سال میرے لئے بہت کٹھن تھے، ہمیشہ مغموم اور پریشان رہتا ایک رات نہیں سویا اور پوری رات خدا کی عبادت کی، خدا کی بارگاہ میں پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کی آل پاک کو اپنی نجات کے لئے واسطہ بنایا، ابھی میری دعا پوری نہ ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا امام محمد تقی علیہ السلام قیدخانے میں میرے پاس کھڑے ہیں ، آپؑ نے فرمایا: اے ابوالصلت! کیا گھٹن محسوس کررہے ہو اور یہاں سے طبیعت گھبرا چکی ہے؟

عرض کیا: ہاں! خدا کی قسم! ایسا ہی ہے۔

فرمایا: اٹھو

آپؑ نے اپنا دست مبارک میری ہاتھوں کی زنجیر پر رکھا، اس کے قفل کھلے اور زنجیریں ٹوٹ کر زمین پر گر گئیں اور میں آزاد ہو گیا، اس کے بعد میرا ہاتھ تھاما اور مجھے قید خانے کے باہر لائے، سپاہیوں نے مجھے باہر جاتے ہوئے دیکھا لیکن امام علیہ السلام کی ہیبت وجلالت سے سب کے قدم رک گئے تھے اور کسی میں کچھ کہنے کی طاقت نہ بچی تھی، یہاں تک کہ ہم وہاں سے بہت دور ہوگئے، پھر آپؑ مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: امان خدا سے جاؤ، اب اس کے بعد ہر گز تمہاری مامون سے ملاقات نہ ہو سکے گی اور اس کے بھی ہاتھ ہر گز تم تک پہنچ نہ پائیں گے۔

جیسا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا تھا، میرے ساتھ بالکل ویسا ہی ہوا۔[1]

* * *

امام جواد علیہ السلام اپنے اصحاب اور شیعوں کے لئے جو حدیثیں بیان فرماتے، اسی ضمن میں انہیں زہد، قناعت، تقوااور دنیا کی دھوکہ دینے والی چیزوں سے دوری کی سفارش فرمایا کرتے تھے، بعنوان مثال؛ امام جواد علیہ السلام کے سب سے عظیم صحابی عبد العظیم حسنی امام جواد علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ابوذر غفاریؓ جناب سلمان فارسیؓ کے وہاں مہمان ہوئے، جب دستر خوان بچھایا گیا تو جناب سلمانؓ کے پاس جو کچھ تھا اسے لا کر دستر خوان پر رکھ دیااور جو کچھ دستر خوان پر پیش کیا وہ سوکھی روٹی اور تھوڑا پانی تھا، جناب سلمانؓ نے روٹی لی اور اسے پانی میں نرم کرکے کھانے لگے۔

جناب ابوذرؓ نے بھی ایک لقمہ لیا اور اسے اپنے منھ میں رکھا، روٹی می نہ نمک تھا اور نہ ہی کوئی مزہ، ایک جملہ کہا: یہ روٹی بہت اچھی ہے بس اگر تھوڑا نمک مل جاتا تو بہت اچھا ہوتا۔

جناب سلمانؓ نے جواب دیا: سچ کہتے ہو۔

اس کے بعد اٹھے اور پانی کا کوزہ لیا اور گھر سے باہر چلے گئے، چونکہ جناب سلمانؓ کے پاس نمک خریدنے کے لئے کوئی پیسہ نہیں تھا تو کوزہ کو دکاندار کے پاس گروی رکھا اور اس سے تھوڑا نمک لے کر گھر واپس ہوگئے اور لا کر جناب ابوذرؓ کے

---

[1] ۔ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج۲، ص ۲۴۷

سامنے رکھ دیا، دونوں نے کھانا کیا اور جب کھا چکے تو جناب ابوذرؒ نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس حد تک قناعت کی نعمت سے بہرہ مند کیا۔

جناب سلمانؒ نے یہ سن کر کہا: ہاں! ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں اور اگر قناعت ہوتی تو آج میرا کوزہ بطوری گروی رکھا نہ جاتا۔[1]

* * *

امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد مامون نے عباسیوں کے دل کو جیتنے اور انہیں اپنا بنانے کے لئے ۲۰۴ھ ق میں بغداد کو اپنی حکومت کا دار الحکومت بنالیا ،جب وہ شہر بغداد پر پوری طرح قابض ہوگیا اور عباسیوں کو راضی کرلیا تو ارادہ بنایا کہ امام جواد علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد طلب کرے، تاکہ ان کے ساتھ مہربانی اور نیک کرنے کے ذریعہ جہاں ان کی دلجوئی کرسکے وہیں شیعوں کے درمیان اپنے آپ کو امام رضا علیہ السلام کے قتل سے بری دکھاسکے۔

امام جواد علیہ السلام کی مامون سے ملاقات کے چند روز پہلے آپ ایک راستہ سے گذر رہے تھے کہ وہاں کچھ بچوں کو دیکھا جو کھیل کود میں مشغول ہیں۔

اس دن مامون بھی اپنے لاؤلشکر کے ساتھ شکار کی غرض سے اپنے محل سے باہر آیا، وہ بھی اسی راستے گذرا جہاں سارے بچے کھیل رہے تھے اور ایک طرف امام جواد علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے، جب بچوں نے خلیفہ اور اس کے لشکر کو آتا ہوا

---

[1] ۔ مھدی آذر یزدی، قصہ ہای خوب برای بچہ ہای خوب، ج۸، ص۱۷۱

دیکھا تو سبھی بھاگ کھڑے ہوئے اور کوئی نہ بچا، پورا راستہ صاف ہو گیا لیکن امام جواد علیہ السلام وہیں ٹھہرے رہے، اس وقت آپؑ کی عمر کوئی ۹ سال تھی۔

جب مامون گذرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ مجھے دیکھ کر سبھی بچے بھاگ گئے لیکن یہ بچہ ابھی تک اپنی جگہ کھڑا ہوا ہے اور اسے کوئی خوف لاحق نہیں ہے۔

اسے اپنے پاس بلایا اور سوال کیا: مجھے دیکھ کر سارے بچے بھاگ گئے، کیا بات ہے کہ تم یہیں کھڑے ہو اور میرے ڈر سے بھاگے نہیں ؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: میں اس لئے اپنی جگہ کھڑا رہا کہ راستہ تنگ نہیں تھا کہ میرے چلے جانے سے وہ وسیع ہو جاتا اور کوئی خطا بھی نہیں کی ہے کہ جس کی بناپر کسی سے خوف کھاؤں اور آپ کے متعلق مجھے ایسا کوئی گمان بھی نہیں تھا کہ مجھے اذیت دیں گے۔

جب مامون نے ایسا حکیمانہ جملہ سنا تو اسے بہت تعجب ہوا اور سوال کر بیٹھا: بڑی اچھی باتیں کر لیتے ہیں؟ آپؑ کا نام کیا ہے؟

فرمایا: محمد

سوال کیا: کسی کے بیٹے ہو؟

فرمایا: علی بن موسی الرضا علیہما السلام کا بیٹا ہوں۔

مامون نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور کہا: آفرین، آپؑ کے علاوہ کوئی بھی اس خوبصورتی سے جواب نہیں دے سکتا تھا، میں بہت جلد شکار سے واپس لوٹوں گا، اس وقت تفصیل سے ملاقات کروں گا۔

مامون شکار کے لئے روانہ ہو گیا، لیکن اس دن اس کے لئے مبارک ثابت نہیں ہوا اور اسے شکارگاہ سے کچھ نہ مل سکا، اسے اچانک آسمان میں ایک پرندہ اڑتا ہوا دکھائی دیا، اس نے شکار کے لئے اپنا باز بھیجا لیکن وہ پرندہ باز کے چنگل سے نکل بھاگا، باز اس کے تعاقب کافی دور نکل گیا یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو گیا، تھوڑی دیر بعد جب واپس لوٹا ہے تو اس کے پنجوں میں ایک چھوٹی مچھلی تھی، یہ دیکھ مامون بہت خشمناک ہوا اور محل کی جانب واپس لوٹ گیا، راستے میں دوبارہ امام جواد علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہو گئی، وہ مچھلی ابھی تک مامون کے پاس تھی، اس نے مچھلی کے ذریعہ امام علیہ السلام کا امتحان لینے کا ارادہ بنایا لہٰذا ہنستے ہوئے امام جواد علیہ السلام سے مخاطب ہوا اور سوال کیا: کیا بتا سکتے ہیں کہ اس وقت میرے ہاتھوں میں کیا چیز ہے؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: خداوند عالم نے اپنی رحمت سے سمندروں میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں خلق کرتا ہے اور باز اسے اس کا شکار کرتے ہیں اور وقت کے حکمراں انہیں اپنی ہتھیلیوں میں لے کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا امتحان لیتے ہیں۔

مامون حد سے زیادہ متعجب ہوا اس لئے کہ اسے اتنا گمان نہ تھا کہ امام علیہ السلام دانائی اور علم و معرفت کے آخری درجہ پر ہوں گے، امام علیہ السلام کی عظمت دیکھ کر مامون نے آپ کے سامنے اپنی بہت حقارت محسوس کی، وہیں امام علیہ السلام کو اپنی سواری پر بٹھایا اور انہیں اپنے ساتھ شاہی محل میں لے آیا اور اس قدر ان کا احترام

کیا کہ مصاحبین کو حسد ہونے لگا اور وہ امام علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے میں مشغول ہو گئے۔[۱]

* * *

مھزیار ایک عیسائی دانشمند تھے اور ایران میں زندگی بسر کر رہے تھے، اپنی ذاتی تحقیقات سے دین اسلام کو قبول کیا اور پھر مذہب تشیع کے شیدائی ہو گئے، ان کے ایک بیٹے علی ابن مھزیار امام رضا، امام جواد اور امام ہادی علیہم السلام کے وفادار اصحاب میں شمار کئے جاتے ہیں، انہوں نے شیعہ فقہ پر مشتمل کئی کتابیں تحریر کیں اور شہر اہواز میں امام علیہ السلام کے وکیل بھی تھے، اس وقت آپ کا مزار شہر اہواز میں تمام دوستداران اہلبیت کا ملجا و ماوی اور ایک مشہور زیارتگاہ کے عنوان سے معروف ہے۔

شہر طوس کے ایک عیسائی شخص نے امام جواد علیہ السلام کے لئے آٹھ درہم ہدیہ کے طور پر روانہ کئے، علی ابن مھزیار کا خادم " خیران " اسے لے کر اپنے آقا علی ابن مھزیار کے پاس پہنچا، اب علی بن مھزیار کی یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ وہ ان پیسوں کو قبول کریں یا واپس لوٹا دیں، پس انہوں نے اس مشکل کے حل کے لئے ایک خط امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں لکھا اور سوال کیا کہ کیا میں اس عیسائی کا پیسہ قبول کر سکتا ہوں یا نہیں۔

---

[۱]۔ سابق حوالہ، ص ۱۷۲

امام جواد علیہ السلام نے جواب میں لکھا: اگر ان لوگوں کے پاس سے درہم اور غیر درہم میں سے کوئی ہدیہ آئے تو اسے قبول کر سکتے ہو اس لئے کہ رسول اللہ کسی یہودی یا عیسائی کا ہدیہ واپس نہیں لوٹاتے تھے۔[1]

* * *

امام جواد علیہ السلام علم الٰہی کی نعمت سے مالامال ہونے اور اپنے معبود کی اجازت سے ماضی و مستقبل کی خبریں اپنے چاہنے والوں کو دیا کرتے تھے اور ان کے دلوں میں گذرنے والے خیالات سے بھی واقف تھے، بعض اوقات سائل کا منھ کھلنے سے پہلے اس کے سوالوں کا جواب دے دیا کرتے تھے جس سے سائل اور حاضرین کے ایمان تازہ اور مستحکم ہو جایا کرتے تھے جیسا کہ روایت میں وارد ہوا ہے:

ایک شخص امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میری جان آپ پر قربان ہو!...۔

امام علیہ السلام نے جواب دیا: اسے قصر نہیں پڑھنا ہے۔

وہ شخص اٹھا، آداب حضور بجالایا اور واپس چلا گیا، حاضرین بے سوال کے جواب پر بہت متعجب ہوئے اور امام علیہ السلام سے سوال کیا: ہماری جانیں آپ پر قربان ہوں! یہ کیا ماجرا تھا کہ آپؑ نے بغیر سوال کے جواب عنایت فرمایا؟

[1] ۔ سابق حوالہ، ص۱۷۹

امام علیہ السلام نے جواب دیا: یہ شخص یہ جاننے آیا تھا کہ جو شخص کشتی میں کام کرتا ہے اور اسی کے ساتھ سمندر میں دور دراز سفر پر جایا کرتا ہے، وہ اپنی نماز پوری پڑھے گا یا قصر پڑھے گا، میں نے حکم دیا کہ وہ اپنی نماز قصر پڑھے گا۔[1]

* * *

محمد بن میمون کہتے ہیں: مامون کے امام رضا علیہ السلام کو خراسان طلب کرنے سے پہلے امام علیہ السلام مکہ کے سفر پر تشریف لے گئے، میں اس سفر میں امام علیہ السلام کی خدمت میں تھا، ایک روز میرے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا اور ارادہ کیا کہ مدینہ واپس لوٹ جاؤں، امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا: میں مدینہ واپس لوٹ جانا چاہتا ہوں، اگر آپؑ اپنے بچوں کے نام کوئی پیغام یا خط دینا چاہتے ہیں تو میں اسے پہونچا دوں گا۔

امام رضا علیہ السلام مسکرائے اور ایک خط لکھ کر مجھے دیا، اس خط کو لے کر جب مدینہ پہنچا تو سیدھے امام علیہ السلام کے بیت الشرف پہنچا، میں اس وقت بیمار تھا اور میری آنکھوں سے بینائی بالکل ختم ہو چکی تھی، دروازہ کھٹکھٹایا، امام جواد علیہ السلام کے خادم نے دروازہ کھولا اور مجھے امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں لے گیا، میں نے وہ خط امام جواد علیہ السلام کے حوالے کیا، امام علیہ السلام نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ اس خط کی مہر توڑ کر دے، امام علیہ السلام نے اپنے بابا کے خط کا مطالعہ کیا، اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے محمد! آپؑ کی آنکھیں کیسی ہیں؟

---

[1] ۔ محدث قمی، منتہی الآمال، ج ۲، ص ۹۴۵

عرض کیا: اے رسول خداﷺ کے فرزند! جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں، میری آنکھیں کمزور ہو چکی ہیں اور اس کی بینائی جاچکی ہے۔

امام علیہ السلام نے اپنا دست مبارک میری نابینا آنکھوں پر پھیرا، امام علیہ السلام کے دست مبارک کی برکت سے مجھے شفا مل گئی اور دوبارہ میری بینائی واپس آگئی، جب مجھے اپنے اطراف کی ہر چیز دکھائی دینے لگی تو میں نے اپنے آپ کو امام جواد علیہ السلام کے قدموں پر گرادیا اور پیروں کا بوسہ لیا۔

جب میں امام جواد علیہ السلام کی بارگاہ سے واپس لوٹا تو میں دنیا کو پہلے سے زیادہ اور بہتر دیکھ رہا تھا۔[1]

* * *

مامون نے امام جواد علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد طلب کیا اور اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی آپؑ سے کردی، اپنے محل میں جگہ دی اور ہر طرح سے آؤ بھگت اور اکرام واحترام کا حکم دیا، وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح امام جواد علیہ السلام کو دنیوی آلائشوں میں مبتلا کرکے آلودہ کردے تاکہ آپؑ کی خداداد ی معنویت ختم ہو جائے اور اس طرح وہ لوگوں کو حضرتؑ سے بدگمان کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

حسین مکاری کہتے ہیں: جس زمانے میں امام جواد علیہ السلام کا قیام شہر بغداد میں تھا، میں جب کسی کام سے شہر بغداد گیا تو مجھے اطلاع موصول ہوئی کہ امام جواد علیہ السلام بڑی شان و شوکت کے ساتھ خلیفہ کے محل میں گذر بسر کررہے ہیں،

---

[1] ۔سابق حوالہ، ص ۹۴۶

میں امام علیہ السلام سے ملاقات کے لئے گیا، جب میں نے پہلی مرتبہ مامون کے محل میں امام جواد علیہ السلام کو دیکھا تو یہ گمان کر بیٹھا کہ ایسی زندگی کے بعد اب دوبارہ آپؑ مدینہ لوٹنے والے نہیں ہیں اس لئے کہ ایسی شاہانہ زندگی، نوکر چاکر، مرغن غذائیں اور جاہ و حشم کو کون ٹھوکر مار کر جاسکتا ہے۔

امام جواد علیہ السلام نے اپنا سر اقدس جھکالیا اور اسی حال میں کچھ دیر رہے، اس کے بعد اپنا سر اٹھایا اور مجھے دیکھا، چہرہ مبارک زرد پڑ چکا تھا، مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے حسین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوس میں رہ کر نمک کے ساتھ جو کی روٹی یہاں پر موجود ہر چیز سے زیادہ مجھے عزیز ہے۔[1]

* * *

قاسم بن عبد الرحمٰن زیدی مذہب کا ماننے والا اور اہلبیت علیہم السلام کا سخت دشمن تھا، وہ کہتا ہے: ایک مرتبہ میرا شہر بغداد جانا ہوا، وہاں ایک دن ایک راستہ سے گذر رہا تھا کہ اچانک ایک طرف سے شور و غل کی آواز بلند ہوئی، وہاں پر موجود ہر انسان اس آواز کی طرف بڑھا، میں بھی ماجرا سے مطلع ہونے کے لئے ان کے ساتھ ہولیا، چلتے چلتے کسی سے میں نے سوال کیا: کیا ہوا ہے کہ سب لوگ اس طرح بھاگے جارہے ہیں؟

اس نے جواب دیا: امام رضا علیہ السلام کے بیٹے اس راستے سے گذرنے والے ہیں، ہم ان کی زیارت کے لئے جارہے ہیں۔

---

[1]۔ سابق حوالہ

جب میں نے اس سے یہ باتیں سنی تو مجھے لوگوں پر بہت تعجب ہوا اور ان کے استقبال پر بڑا غصہ آیا، اس کے باوجود میں نے امام جواد علیہ السلام کو نزدیک سے دیکھنا چاہا تاکہ یہ پتہ لگاسکوں کہ لوگ ان کے اسقدر دیوانے کیوں ہیں، میں اس گذرگاہ پر پہنچا اور ایک مناسب جگہ دیکھ کر انتظار کی گھڑیاں کاٹنے لگا، دور سے ایک گھوڑ سوار دکھائی دیا، وہ امام جواد علیہ السلام سے تھے جو خراماں خراماں تشریف لارہے تھے اور لوگ آپؑ کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے، یہاں تک کہ چلتے چلتے مجھ سے نزدیک ہوئے ،اب جو میں انہیں نزدیک سے دیکھا تو وہ مجھے بڑے کمسن نظر آئے ،اپنے دل میں گمان کیا اور کہا: خدایا! اس کے شیعوں کو اس کے سایہ سے دور رکھے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہ کمسن بچہ خدا کا منتخب بندہ ہے جس کی اطاعت ہر انسان پر لازم و واجب ہے، کیا اس بچہ کے علاوہ کوئی اور اس عظیم منصب کے لئے انہیں نہیں مل سکا؟

میں ایسا ہی کچھ سوچ رہا تھا کہ امام علیہ السلام مجھ سے نزدیک ہوئے، مجھے میرے نام سے پکارا، اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: قوم ثمود نے حضرت صالح کا انکار کیا اور کہا کہ کیا ہم لوگ اس شخص کی اطاعت کریں جو ہماری جنس سے ہے اور نہ ہی اس کے پاس قدرت وطاقت اور حسب و نسب ہے؟

یہ آیت سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ شیعوں کے امامؑ کو میرے دل میں گذرنے والی بات کی خبر ہو گئی ہے اس کے باوجود میں نے پھر سے دل ہی دل میں کہا: ضرور وہ کوئی جادوگر اور ساحر ہے جو لوگوں کے دلوں میں گذرنے والے خیالات سے باخبر ہے۔

امام جواد علیہ السلام نے دوبارہ میری طرف دیکھا اور اس آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمائی: کیا لوگوں کے درمیان صرف اسی شخص پر وحی نازل ہوئی ہے جب کہ لوگوں کے درمیان اس سے قدرتمند اور ثروتمند لوگ موجود ہیں ، وحی اس سے مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ جھوٹا، خودخواہ اور ایک متکبر انسان ہے۔

اب مجھے پورا یقین ہوگیا تھا کہ اسرار خلقت سے پوری طرح باخبر ہے لہٰذا میں اپنی حرکت سے بڑا پشیمان ہوا اور ان کا شیعہ ہوگیا یقینا وہ خدا کی حجت اور مخلوقات کے درمیان اس کے منتخب بندے ہیں۔[1]

* * *

احمد ابن علی ابن کلثوم سے نقل ہوا ہے: وہ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ ایک شیعہ " ابوزینبہ " سے ملاقات کے لئے گیا، وہ " احکم بن بشار " کے بہت قریبی ساتھی تھے ، ان کے کام کاج اور ان کی پوری زندگی سے باخبر تھے ، میں نے ان سے کہا: میں نے احکم کے گلے پر کٹنے کا نشان دیکھا ہے، میں نے جب بھی ان سے اس نشان زخم کے سلسلہ میں سوال کیا انھوں نے جواب دینے سے انکار کردیا اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنایا، کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوا تھا کہ یہ زخم ان کے گلے پر موجود ہے؟

اوزینبہ نے جواب دیا: جس زمانے میں امام محمد تقی علیہ السلام بغداد میں مقیم تھے اس وقت میں ، احکم اور دیگر پانچ شیعوں کے ساتھ ایک ہی گھر میں زندگ

---

[1]۔ سابق حوالہ، ص ۷۹۴، آیہ مورد بحث، سورہ قمر، ۲۳

بسر کر رہے تھے، ایک روز احکم ہمیں باخبر کئے بغیر اکیلے گھر سے باہر چلے گئے اور رات تک گھر واپس نہیں لوٹے، ہم بہت زیادہ خائف تھے اور پورے شہر میں انہیں تلاش کیا ، اتنے میں ہمارے پاس امام جواد علیہ السلام کی طرف سے ایک خط ہمیں موصول ہوا، اس میں مرقوم تھا کہ ہمارا خراسانی دوست یعنی احکم موت کے دہانے پر ہے، اس کے دشمنوں نے اس پکڑ کر گلا کاٹ دیا ہے اور انہیں ایک لحاف میں لپیٹ کر ایک کھنڈر میں پھینک دیا ہے، امام علیہ السلام نے اس کھنڈر کا پتہ بھی لکھ دیا تھا، ہمیں حکم دیا تھا کہ جلد از جلد اس جگہ پہنچیں اور انہیں ڈھونڈ کر ان کا علاج کریں، ہم مذکورہ پتہ پر پہنچے، وہ لحاف ڈھونڈا اور انہیں دم توڑتے ہوئے پایا، انہیں لے کر آئے اور ان کا علاج کیا، وہ صحتیاب ہوگئے اور اپنی پوری زندگی امام جواد علیہ السلام کا احسان سمجھتے ہیں۔[1]

---

[1]۔ سابق حوالہ، ص ۹۵۴

شادی خانہ آبادی

امام رضا علیہ السلام کی سوانح حیات میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ عباسی خلیفہ مامون نے اپنی مملکت کے بگڑے ہوئے حالات کو سدھارنے ، علویوں کی بغاوت سے امان میں رہنے ، شیعوں اور ایرانیوں کی نظر میں اپنے آپ کو اہلبیت علیہم السلام کا دوستدار بتاتا تھا، وہ جبری طور پر امام رضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنا کر جہاں ایک طرف اپنی منحوس سازش کو کامیاب بنایا چاہتا تھا وہیں آپؑ کو اپنے پاس رکھ کر زیر نظر رکھنا چاہتا تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔

دوسری طرف بنی عباس مامون سے اس لئے سخت ناراض تھے کہ وہ مامون کے اقدامات سے خوفزدہ تھے کہ کہیں خلافت بنی عباس سے بنی ہاشم میں منتقل نہ ہو جائے جس کی وجہ سے انہوں نے مامون کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور اسے مسلسل امام رضا علیہ السلام کو شہید کرنے پر اکساتے رہے، جب مامون نے امام رضا علیہ السلام کو زہر سے شہید کر دیا تو انہیں سکون ملا، وہ مامون سے قریب ہوئے اور اس کی حمایت کرنے لگے۔

مامون نے امام رضا علیہ السلام کو زہر دینے میں بڑی مہارت دکھائی تھی اور پوری احتیاط کی تھی کہ کسی بھی طرح اس کا نام کہیں نہ آنے پائے اور دنیا اسے امام

رضا علیہ السلام کا قاتل نہ کہے، اس نے اس جرم کو چھپانے کے لئے بظاہر دھوم دھام سے امام رضا علیہ السلام کی عزاداری کی، گریہ وماتم کیا، بلکہ تین دن تک امام رضا علیہ السلام کی قبر کے ساتھ ٹھہرا رہا، نمک اور روٹی کھائی اور کالے لباس پہن کر عزاداری کی لیکن اس کی ریاکاری، مکاری اور جرم شیعوں کے نزدیک ثابت ہوگیا اور انہیں یقین ہوگیا کہ امام رضا علیہ السلام کا قاتل مامون کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا، اس حقیقت کے فاش ہوتے ہی امام رضا علیہ السلام کے سبھی چاہنے والے مامون کے آس پاس سے پراکندہ ہوگئے، اب مامون کو دوبارہ احساس ہونے لگا کہ وہ اپنی سازش میں ناکام ہوچکا ہے اور اس کی حکومت کو وہی پرانا خطرہ دوبارہ لاحق ہوچکا ہے، پس وہ دوبارہ اپنے ذہن میں ایک نئی سازش بنانے میں مشغول ہوگیا، اس نے دنیا والوں کے سامنے اپنے آپ کو امام جواد علیہ السلام کا دوستدار دکھایا اور آپؑ کے حضور سے اپنا مطلب پورا کرنے کے لئے اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی آپؑ سے کردی، وہ اس تاک میں تھا کہ اسے امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی سے جو فائدہ ہوا ہے وہی فائدہ امام جواد علیہ السلام سے ام الفضل کی شادی سے ہوجائے۔

مامون نے اپنی سازش کو کامیاب بنانے کے لئے امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے ایک سال بعد ۲۰۴ھ ق میں امام جواد علیہ السلام کو زبردستی مدینہ سے بغداد طلب کیا اور انہیں اپنی بیٹی ام الفضل سے شادی کے لئے کہا، امام جواد علیہ السلام چونکہ اس شادی کو شیعوں کے حق میں مفید سمجھ رہے تھے لہٰذا انکار نہیں کیا اور اس شادی پر اپنی رضامندی کا اظہار کردیا تاکہ ام الفضل کو بھی یہ فرصت مل جائے کہ شاہی دربار میں ایک عمر گذارنے کے بعد اپنی سعادت کے راستہ کا انتخاب کرے،

پاکیزگی وطہارت، سعادت وخوش اقبالی کا منہ دیکھے اور اس طرح مومنوں کی صف میں شامل ہو جائے، امام جواد علیہ السلام کی سادہ زیستی حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کی وحیانی زندگی سے بہت مشابہ تھی، جہاں اس شادی سے ام الفضل سعادتمند ہو جاتی وہیں مامون بھی خواہ نخواہ پیغمبر اکرم ﷺ کے سچے ماننے والوں میں داخل ہو جاتا۔

اسی سیاست اور تدبیر کے ضمن میں امام جواد علیہ السلام کو یہ فرصت مل جاتی کہ امامؑ اور آپ کے شیعہ اور چاہنے والے عباسیوں کے ظلم و ستم اور روزانہ قتل عام سے محفوظ رہیں اور امام جواد علیہ السلام بآسانی شیعوں سے رابطہ برقرار رکر سکیں، انہیں علوم الٰہی کی تعلیم دے سکیں اور دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا نمونہ دنیاوالوں کے سامنے پیش کر سکیں، بنی عباس اس راز سے بخوبی واقف تھے جس کی وجہ سے مامون کے کان بھرنے لگے۔

ریان بن شبیب کہتا ہے: جب بنی عباسیوں کو پتہ چلا کہ مامون اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی امام جواد علیہ السلام سے کرنا چاہتا ہے تو وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں حکومت کی باگ ڈور بنی عباس سے نکل کر بنی ہاشم میں نہ چلی جائے اور واقعہ امام رضا علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا کہیں وہی واقعہ دوبارہ پیش نہ آئے، سب مل کر مامون کے پاس گئے، اس کے فیصلہ پر اعتراض کیا اور اسے ہزار قسمیں دی کہ وہ اپنے اس فیصلہ سے باز آجائے: ....آپ ہمارے اور علویوں کے درمیان رونما ہونے والے تمام واقعات اور اتفاقات سے باخبر ہیں اور آپ سے پہلے والے خلفاکا ان کے ساتھ سلوک اور انہیں ہمیشہ دربدر کرتے رہنے اور تباہ وبرباد کرنے کی روش بھی معلوم ہے، ہم اس سے پہلے جب آپ نے ولایت عہدی کو امام رضا علیہ السلام کے سپرد کیا تب

بھی نگران تھے اور اس اقدام پر آپ کی مذمت کی تھی لیکن خدا کے لطف سے وہ مشکل ہم سے ٹل گئی لہٰذا اس بار بھی آپ کو قسم دے رہے ہیں کہ دوبارہ ہمیں اس مصیبت میں نہ ڈالیں اور ام الفضل کی شادی سے متعلق اپنے فیصلہ کو واپس لے لیں اور امیدوار ہیں کہ اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی بنی عباسیوں میں سے جسے اہل پاتے ہوں، اس کے ساتھ شادی کردیں۔

جب وہ اپنی بات کہہ چکے تو ماموں نے جواب دیا: اس سے پہلے تمہارے اور علویوں کے درمیان جو کچھ پیش آیا اس کے گنہگار خود تم لوگ ہو، اگر دیدہ انصاف سے دیکھو تو یقین کرلوگے کہ وہ اس مقام کے زیادہ اہل ہیں اور مجھ سے پہلے سابق خلفا نے جو کچھ علویوں کے ساتھ انجام دیا ہے وہ حقیقت میں قطع رحم اور رشتوں کی بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، میں ایسے کاموں سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں، اسی طرح میں امام رضا علیہ السلام کی ولایت عہدی سے بھی پشیمان نہیں ہوں، میں نے ان سے خود یہ درخواست کی تھی کہ وہ خلافت کو قبول کرلیں لیکن انہوں نے قبول کرنے س ے انکار کردیا تھا یہاں تک کہ ان کے حق میں خدا کا فیصلہ پورا ہوا، اسی طرح ابو جعفر حضرت محمد بن علی علیہما السلام کے سلسلہ میں اپنی بات بتادوں کہ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی انہیں سے کروں گا اس لئے کہ کمسن ہونے کے باوجود اپنے زمانے کے تمام اہل فضل و کرم پر بھاری ہیں اور ان سب پر برتری حاصل ہے، یہ میرے لئے نہایت تعجب کی بات ہے، میں امید وار ہوں کہ یہ مسئلہ جس طرح میرے لئے حل ہوچکا ہے اسی طرح آپ لوگوں کے لئے حل ہو جائے اور آپ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ وہ میری بیٹی ام الفضل کے لئے بہت لائق ہیں۔

عباسیوں نے کہا: اس نوجوان کا علم و فضل جتنا بھی آپ کی حیرت اور تعجب کا باعث ہے لیکن پھر بھی وہ ابھی بچہ ہے اور اس میں سیاست کے گُر موجود نہیں ہیں، تھوڑا صبر کریں تاکہ کچھ آداب و رسومات سیکھ لیں اور علم دین سے واقفیت حاصل ہو جائے، اسکے بعد اپنا مقصد پورا کریں۔

مامون نے جواب میں کہا: آپ لوگوں پر وائے ہو! میں اس نوجوان کو آپ لوگوں سے زیادہ پہچانتا ہوں، اس کا تعلق اس خاندان سے ہے جن کے علم خدائی ہیں اور انہیں سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ان کے آباء و اجداد ہمیشہ علم و عرفان اور لوگوں کے آداب و رسومات سے بے نیاز رہے ہیں اگر چاہیں تو انہیں آزما سکتے ہو تاکہ میری بات آپ لوگوں کے لئے ثابت ہو جائے۔

عباسیوں نے کہا: یہ ایک اچھی بات ہے، ہم اس کا امتحان لیں گے اور آپ کے سامنے ان سے ایک فقہی مسئلہ معلوم کریں، اگر انہوں نے ہمارے سوال کا جواب بخوبی دے دیا تو پھر ہم آپ کے مانع نہیں ہوں گے اور اس طرح دوسروں کے سامنے بھی آپ کی رائے کی بہتری معلوم ہو جائے گی لیکن اگر وہ جواب نہ دے سکے تو پھر اس طرح ہماری مشکل حل ہو جائے اور آپ کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑے گا۔

مامون نے قبول کر لیا اور کہا: جب آپ لوگوں کو ارادہ بنے اور پوری تیاری کر لیں، ان کا امتحان لے سکتے ہیں۔

بنی عباس اس کے پاس سے نکل کر باہر آئے اور اس وقت کے قاضی القضاۃ یحییٰ ابن اکثم کے پاس گئے اور اسے بڑے بڑے انعامات کی لالچ دی تاکہ وہ امام جواد علیہ السلام سے کوئی ایسا سوال کرے جس کا وہ جواب نہ دے سکیں، یحییٰ نے قبول

کرلیا، وہاں سے نکل وہ سیدھے مامون کے پاس پہنچے اور اس سے درخواست کی کہ مناظرہ کی کوئی تاریخ معین کرے، مامون نے مناظرہ کی تاریخ معین کی، وہ روز موعود آپہنچا، بنی عباس کے امراء اور بزرگان دربار میں حاضر ہوگئے، مامون کے حکم سے صدر مجلس میں ایک اونچی مسند تیار کی گئی، امام جواد علیہ السلام مقررہ گھڑی کے مطابق حاضر ہوئے اور اس مقام پر تشریف فرما ہوئے جسے آپؑ کے لئے سجایا گیا تھا، یحییٰ ابن اکثم بھی آیا اور بالکل آپؑ کے سامنے بیٹھ گیا، جب سارے مدعووین حاضر ہوئے اور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو پھر مامون امام جواد علیہ السلام کے پاس بیٹھا۔

یحییٰ بن اکثم سب سے پہلے مامون کی طرف متوجہ ہوا اور سوال کیا: کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں ابو جعفرؑ سے کوئی سوال کروں؟

مامون نے جواب دیا: آپ خود انہیں سے اجازت مانگیں۔

یحییٰ امام جواد علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: میری جان آپؑ پر قربان ہو، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپؑ سے کوئی سوال کروں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو سوال چاہو معلوم کرسکتے ہو۔

یحییٰ نے عرض کیا: میری جان آپؑ پر قربان ہو! اگر کوئی شخص حالت احرام میں لباس احرام کے ساتھ کوئی شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: آپ نے جو سوال پوچھا ہے اس کی مختلف قسمیں ہیں؛ اس لئے کہ وہ حیوان جس کا محرم نے لباس احرام میں شکار کیا ہے وہ حیوان حرم میں تھا یا حرم سے باہر تھا؟ شکار کرنے والا محرم اس حالت میں شکار کی حرمت سے واقف تھا یا نہیں تھا، اپنے شکار کو عمدی طور پر قتل کیا ہے یا سہوی طور سے خطا ہو گئی

ہے؟ بچہ تھا یا ادھیڑ؟ اس نے پہلی بار ایسی خطا کی ہے یا اس سے پہلے بھی ایسے کام کر چکا ہے؟ اس کا شکار پرندہ تھا یا غیر پرندہ؟ وہ شکار بچہ تھا یا بڑا؟ شکاری اپنے حرکت پر پشیمان ہے یا دوبارہ اس کو انجام دینے کی فکر میں ہے؟ دن میں شکار کیا ہے یا رات میں؟ اس کا احرام حج عمرہ کے لئے تھا یا حج تمتع کے لئے؟

جب امام جواد علیہ السلام نے اپنی کمسنی کے باوجود یحییٰ ابن اکثم کے سوال کو اس طرح کھولا اور اس کی پیچیدگیاں اتنی آسانی سے بیان کیں تو اس کی حیرت و تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی اور اس نے اس قدر حقارت محسوس کی کہ اس کے چہرے سے پوری طرح عیاں تھی اور اس کی زبان میں لکنت آگئی تھی، یہیں سے لوگوں کو امام علیہ السلام کی برتری اور یحییٰ کی ناتوانی کا پورا علم اور یقین ہوگیا۔

مامون نے کہا: اس نعمت کی وجہ سے میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں، میری رائے بالکل صحیح تھی اور پھر بنی عباس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: جس بات اور حقیقت کا تم لوگ انکار کر رہے تھے، اب اس کا یقین ہوگیا؟

اسی مجلس میں مامون نے دوبارہ امام جواد علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ ام الفضل سے شادی کرلیں اور خود ہی خطبہ نکاح جاری فرمادیں، امام علیہ السلام نے اس کی درخواست منظور کرلی اور اس طرح خطبہ نکاح کا آغاز کیا:

"میں خدا کا اس کی نعمت کے اقرار پر شکر کرتا ہوں اور اسی کا کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہوں اور اس کی وحدانیت کو اخلاص کے ساتھ مانتا ہوں، برترین مخلوق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کے منتخب لوگوں پر درود و سلام ہو۔

بے شک لوگوں پر یہ خدا کا فضل و کرم ہے کہ اس نے حلال کے ذریعہ انہیں حرام سے بے نیاز کردیا اور ازدواج کا حکم دیا اور فرمایا: مجرد مرد و عورت اور غلام و کنیز میں سے لائق ازدواج لوگوں کی شادیاں ایک دوسرے کرو اور فقر کی وجہ سے ان کے ازدواج میں رکاوٹ نہ ڈالو، اگر وہ فقیر ہوں گے تو خداوند عالم اپنی رحمت سے انہیں غنی اور بے نیاز کردے گا، وہ اپنے بندوں کے رزق وسعت دینے والا اور ہر چیز کا دانا ہے۔

اس کے بعد امام جواد علیہ السلام نے مہر حضرت فاطمہ علیہا السلام کے معادل ام الفضل کا مہر یہ پانچ سو درہم مقرر فرمادیا، مامون نے اپنی بیٹی کی طرف سے نکاح پڑھا اور امام جواد علیہ السلام نے قبول کیا اور پھر مامون کے حکم سے حاضرین کو گرانقیمت تحائف دیئے گئے، دسترخوان بچھائے گئے، سب نے مل کر کھانا کھایا اور پھر وہاں سے متفرق ہوگئے، اس کے بعد مامون کے خواص رہ گئے اور بقیہ لوگ چلے گئے، اس کے بعد مامون نے امام جواد علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ حالت احرام میں شکار کی جملہ قسموں کے جواب کو خود ہی بیان فرمائیں اور ہمارے سامنے اس کی شرح کریں، امام جواد علیہ السلام نے اس مسئلہ کی تمام قسموں کو بیان کیا اور ان کے جواب بھی مدلل پیش کئے۔

جب مامون نے مختلف قسموں کے حل اور ان کا جواب سنا تو بہت حیرت زدہ ہوا اور آپ کی بہت تعریف و تمجید کی۔

* * *

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ مامون تاریخ کا بہت بڑا فریب کار اور سیاستداں رہا ہے، جس نے اپنے سیاسی اہداف کو پانے کے لئے ریاکاری کی حد کردی

تھی اور وہ امام جواد علیہ السلام کے سامنے جس قدر بھی اظہار انکساری کرتا اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہ ہوتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اپنے سیاسی مقصد کو پورا کرلے، اس نے اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی کرکے درج ذیل اہداف کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی:

ا۔مامون اپنی بیٹی ام الفضل کو امام جواد علیہ السلام کے گھر میں بھیجنے کے ذریعہ ہمیشہ اور ہمہ وقت زیر نظر رکھنا چاہتا تھااور امام علیہ السلام کی ہر حرکت کو قبل از وقت جاننا چاہتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ام الفضل نے بھی یہ وظیفہ بڑی اچھی طرح نبھایا اور اس چار دیواری میں رونما ہونے والا کوئی بھی ایسا واقعہ نہ تھا جسے اس نے مامون کو لکھ کر نہ بھیجا ہو، تاریخ اس مدعا کی شاہد ہے۔

۲۔مامون اس عقد کے ذریعہ امام جواد علیہ السلام کو دربار کی شان و شوکت اور عیش و نوش میں مبتلا کردینا چاہتا تھا تاکہ کسی نہ کسی طرح امام جواد علیہ السلام فسق و فجور اور لہو و لعب میں مشغول ہوجائیں، تاکہ اس طرح آپ کی منزلت میں کمی آئے اور عصمت داغدار ہوجائے پس جب یہ اتفاق پیش آئے گا تو لوگوں کی نگاہوں میں آپ کا مقام خدشہ دار ہوگا اور ہر جگہ ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا، اگرچہ وہ ہرگز اپنے منحوس ارادے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

محمد بن ریان کہتا ہے: مامون نے امام جواد علیہ السلام کو فسق و فجور میں مبتلا کرنے کی انتھک کوششیں کرلیں لیکن وہ ہرگز کامیاب نہ ہوسکا، جب عقد نکاح کے بعد اسی مناسبت سے ایک جشن کا انعقاد کیا گیا تو مامون نے سو خوبصورت کنیزوں کو حکم دیا کہ جب امام جواد علیہ السلام مجلس میں قدم رنجہ ہوں اور اپنی مسند پر جلوہ افروز

ہو جائیں تو اپنے ہاتھوں میں جواہرات کے طبق لے کر ان کے استقبال میں جائیں اور ان لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا لیکن امام جواد علیہ السلام نے کوئی توجہ نہ کی اور ان سے کوئی بات نہ کی اور اس طرح برخورد کی کہ سبھی کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپؑ اس فعل سے سخت بیزار ہیں۔

اسی مجلس میں رقص و سرور ایجاد کرنے کے لئے کچھ گانے اور بجانے والوں کو بھی بلایا گیا، پس جیسے ہی ان لوگوں نے گانا بجانا چاہا، امام جواد علیہ السلام نے بلند آواز میں ڈانٹا اور فرمایا: خدا سے ڈرو! مطرب امام جواد علیہ السلام کی ہیبت و جلالت اور معنوی قدرت و طاقت کو مشاہدہ کرکے ہکابکا رہ گیا اور موسیقی کے آلات اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر گئے اور اس کے دل میں اس طرح خوف بیٹھ گیا کہ جب تک وہ زندہ رہا اس کے ہاتھ موسیقی کے آلات کو اٹھانے کے لائق نہیں رہے۔[1]

۳۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے عباسی خلفا کا سب سے چالاک اور مکار خلیفہ مامون اس شادی کے ذریعہ چاہتا تھا کہ جہاں علویوں کی بغاوت سے امان ملے گی وہیں اسے اس بات کا موقع ملے گا کہ شیعوں کے درمیان اہلبیت علیہم السلام سے اپنی محبت کا مظاہرہ کر سکے۔

۴۔ اس عقد کے ذریعہ مامون عوام کو دھوکہ دینا چاہتا تھا جیسا کہ وہ خود کہا کرتا تھا: میں نے یہ شادی اس لئے کی ہے تا ابو جعفرؑ میری بیٹی ام الفضل

---

[1]۔ شیخ کلینی، اصول کافی، ج۱، ص ۳۹۴

سے صاحب فرزند ہوں اور میں ایک ایسے بچے کا نانا بنوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی ابن ابی طالب کی نسل سے ہو۔[1]

الحمد للہ مامون اس مقصد میں بھی کامیاب نہ ہو سکا اور ام الفضل ہرگز امام جواد علیہ السلام کے وہاں صاحب فرزند نہ ہو سکی اور اگر امام جواد علیہ السلام صاحب ہوئے تو دوسری ازواج اور کنیزوں سے ہوئے جیسا کہ دسویں امام حضرت ہادی علیہ السلام خوش اخلاق، نیک سیرت اور باعظمت بی بی جناب سمعانہ مغربیہ سے ہوئے۔[2]

بہرحال مامون نے یہ رشتہ صرف اور صرف سیاسی مصلحت کی وجہ سے جوڑا تھا اور اس میں اس کا کوئی بھی دینی عقیدہ دخیل نہیں تھا، امام جواد علیہ السلام کے لئے رشتہ اگرچہ ایک عالیشان اور عیش و عشرت کی زندگی کا باعث تھی لیکن اپنے آباء و اجداد کی طرح ہرگز ان زوال پذیر چیزوں سے دل کو جوڑ نہ سکے اور اسے ہمیشہ حقیر سمجھتے رہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مامون کے دربار میں رہنا اور اس کے ساتھ رہنا امام جواد علیہ السلام کے لئے بہت سخت اور اذیت ناک تھا۔

ہم نے گذشتہ سطور میں امام جواد علیہ السلام کے ایسے درد اور رنج والم کو حسین مکاری کی داستان میں نقل کرچکے ہیں اس لئے وہ یہ گمان کر رہا تھا کہ امام جواد علیہ السلام مامون کے دربار اور محل میں ایک عالیشان زندگی گذار رہے ہیں اور اب

---

[1]۔ یعقوبی، التاریخ، ج ۲، ص ۴۵۴

[2]۔ شیخ عباس قمی، منتہی الآمال، ج ۲، ص ۲۳۵

ہر گز ایسی رویائی زندگی کو چھوڑ کر اپنے آبائی وطن مدینہ نہیں لوٹ سکتے لیکن امام جواد علیہ السلام مغموم اور درد بھرے لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے حسین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں سوکھی روٹی اور نمک مجھے یہاں پر موجود ہر ناز و نعم سے بالاتر ہے۔

اسی وجہ سے امام جواد علیہ السلام شہر بغداد میں زیادہ دن نہیں رہ سکے اور بہت جلد ام الفضل کے ہمراہ مدینہ لوٹ گئے اور ۲۲۰ھ ق تک مدینہ میں ہی مقیم رہے۔

اصحاب امام

ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام اپنے جد حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح دائم لوگوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے اور انہیں ہدایت کے راستے پر گامزن رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے، ہم حضرات معصومین علیہم السلام کی اس کوشش کو ہر گز تعلیمی مراکز سے تشبیہ نہیں دے سکتے، اس لئے کہ تعلیمی مراکز کے نظام الاوقات ہوتے ہیں جن میں محصلین حاضر ہو کر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ان اوقات کے علاوہ وہ بند اور تعلیمی سہولیات فراہم کرنے سے قاصر ہوتے ہیں لیکن ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام ہر حال اور ہر وقت لوگوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہا کرتے تھے، گفتار و کردار، چلنا پھرنا اور اجتماعی امور ان لوگوں کے لئے عبرت کا سامان ہوا کرتے تھے جو دائم نعمت حضور سے بہرہ مند رہا کرتے تھے، جب بھی کوئی شخص آپؑ لوگوں کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہہ کرتا تھا تو فارغ البال ہو کر وہ

اپنے سوال کرتا اور قانع کنندہ جواب حاصل کرتا، سوال کرنے کی کوئی حد نہ تھی اور مشکل جیسی بھی ہو، اس کا راہ حل فہم و شعور کے مطابق ضرور عنایت ہوتا۔

پس یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایسا انسان ساز مکتب اور لوگوں کی ہدایت کا سرچشمہ سوائے بارگاہ رب العزت کے رسولوں کی بارگاہوں کے سوا کہیں اور قابل مشاہدہ نہیں ہوسکتا تھا، جب ان کا رابطہ ماورا سے ہے تو یہ بات سمجھنا بہت آسان ہے کہ ایسے مکتب کا نتیجہ کتنا عظیم اور حیرت آور ہوسکتا ہے، اسی وجہ سے عباسی ظالم و جابر اور غاصب حکمراں ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ان کے اور عوام کے درمیان فاصلہ ایجاد کریں، مانع اور رکاوٹ پیدا کریں اور ان کی درمیان قربت کو ختم کردیں، اس لئے کہ انہیں خوب معلوم تھا کہ اگر انہیں ائمہ معصومین علیہم السلام کی خصوصیات اور فضائل و کرامات معلوم ہوگئے تو وہ واقعی ہادیان دین اور اس امت کے ائمہ ہدیٰ کی طرف مائل ہوجائیں گے اور ان کی غاصبانہ حکومت خطرہ میں پڑ جائے گی، اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو امام محمد باقر علیہ السلام کے دور میں عمر بن عبد العزیز کی رحم و عطوفت پر مشتمل حکومت اور امام صادق علیہ السلام کے دور میں بنی امیہ کی کمزوری و نابودی اور اسلامی سماج میں عباسی حکومت کے اثر ورسوخ کی قلّت کی بناپر عوام نے مذکورہ دو بزرگوار اور ائمہ ہدیٰ سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور پوری آزادی کے ساتھ دینی تعلیمات کو حاصل کرنے میں مشغول رہے اسی وجہ سے تاریخ کی

گواہی کے مطابق امام صادق علیہ السلام کے شاگرد چار ہزار سے اوپر شمار کئے جاتے ہیں لیکن بقیہ ائمہ معصومین علیہم السلام کے اصحاب کی تعداد بہت کم نظر آتی ہے۔

بعنوان مثال امام جواد علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد ایک سو دس تھی[۲]، اس تعداد کو ملاحظہ کرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ عوام اپنے وقت کے امامؑ سے ملاقات کرنے اور رابطہ برقرار کرنے میں کس قدر مشکلات کا شکار تھی اگرچہ اصحاب کی مذکورہ تعداد بہت کم ہے لیکن ان کے درمیان ایسی مایہ ناز اور علم و ایمان کی وہ روشن ہستیاں ہیں جو آسمان تشیع کے دمکتے ہوئے ستارے شمار کئے جاتے ہیں، ہم یہاں پر ان میں سے بعض اصحاب کے احوال بطور اختصار پیش کرتے ہیں؛

۱۔ علی ابن مہزیار اہوازی

آپ امام جواد علیہ السلام کے خاصی صحابی اور وکیل بھی تھے اسی طرح امام رضا اور امام ہادی علیہما السلام کے اصحاب میں بھی شمار کئے جاتے ہیں، اپنے زمانے کے بہت بڑے عبادت گزار اور بہت سجدہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ پیشانی پر زیادہ سجدہ کرنے کی وجہ سے گٹھے پڑ گئے تھے اور جب نماز صبح کے بعد اپنا سر سجدہ میں رکھتے تو جو کچھ خدا کی بارگاہ سے اپنے لئے طلب کرنا ہوتا تو پہلے ایک ہزار مومنین کے لئے طلب کرتے اس کے بعد اپنے لئے خدا سے مانگتے اور پھر سجدہ سے سر اٹھاتے۔

---

[۱]۔ شیخ طوسی، الرجال، ص ۱۴۲، تا ۳۴۲

[۲]۔ سابق حوالہ، ص ۳۹۷ تا ۴۰۹

علی ابن مہزیار شہر اہواز میں ساکن تھے اور اپنی بابرکت عمر میں تیس سے زیادہ کتابیں تحریر فرمائی ہیں [1] اور ایمان و عمل کے ایسے درجہ پر فائز تھے کہ ایک مرتبہ امام محمد تقی علیہ السلام نے ایک خط میں اس طرح آپ کی تعریف و تمجید کی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے علی! خدا تمہیں نیک جزا سے نوازے اور اپنی جنت میں جگہ عنایت کرے، دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھے اور آخرت میں ہمارے ساتھ محشور کرے، اے علی! میں نے تمہیں خیر خواہی، اطاعت، احترام، خدمت اور واجب و لازم وظائف و اوامر کی انجام دہی میں آزمایا ہے اگر میں یہ کہوں کہ میں نے تمہارے جیسا کسی کو نہیں پایا تو خدا کی بارگاہ میں امید وار ہوں کہ میں اس بات میں سچا رہوں، خداوند عالم جنت الفردوس کو تمہارا مقدر بنائے، تمہارا مقام اور شب و روز، گرمی و سردی میں تمہاری جانفشانیاں ہرگز مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں، میں خداوند عالم کی بارگاہ میں دعاگو ہوں کہ قیامت کے دن جب سب لوگ جمع ہوں گے تو اس وقت خداوند عالم تمہیں اپنی خاص رحمت سے اس طرح سرافراز کرے کہ دیکھنے والے حسرت اور رشک کریں، بے شک خدا دعاؤں کا سننے والا ہے۔ [2]

۲۔ احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی

آپ شہر کوفہ کے رہنے والے تھے، آپ کا شمار امام رضا علیہ اور امام جواد علیہ السلام کے اصحاب میں میں جاتا ہے، آپ کا مرتبہ مذکورہ دو اماموں کی بارگاہ میں بہت

---

[1] ۔ محدث قمی، الکنی والالقاب، ج ۱، ص ۴۲۴

[2] ۔ شیخ طوسیؒ، غیبت، ص ۲۵۵

عظیم تھا، آپ نے اپنی بابرکت عمر میں بہت سی کتابیں تحریر فرمائیں اور کتاب "الجامع" آپ کا نایاب اثر ہے، آپ کی فقہات کو شیعہ علماء قبول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک موثق شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں۔[۱]

جناب احمد ابن محمد حقیقت میں انہیں تین لوگوں میں سے ایک ہیں جو امام رضا علیہ السلام کی بارگاہ میں شرفیاب ہوئے تھے اور ان کے درمیان امام رضا علیہ السلام نے آپ کا بہت احترام کیا تھا، ہم نے اس روایت کو امام رضا علیہ السلام کی زندگانی میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۳۔ زکریا ابن آدم

جناب زکریا ابن آدم شہر قم کے رہنے والے تھے اور اس وقت آپ کی مزار قم میں موجود ہے جو اہل بیت علیہم السلام کے چاہنے والوں کی زیارت گاہ ہے، آپ امام رضا اور امام جواد علیہما السلام کے بہت ہی خاص صحابی تھے اور امام جواد علیہ السلام نے آپ کے لئے دعا کی تھی اور آپ کو اپنے باوفا صحابی قرار دیتے تھے۔[۲]

ایک مرتب جب امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوئے تو امام علیہ السلام نے اول شب سے طلوع فجر تک راز کی باتیں کیں۔[۳]

---

[۱]۔ کشی الرجال، ص ۵۵۸

[۲]۔ سابق حوالہ، ص ۵۰۳

[۳]۔ شیخ عباس قمی، منتہی الآمال، ج ۲، ص ۸۵

ایک روز ایک شخص نے امام رضا علیہ السلام سے کوئی سوال کیا: میں راستہ اور منزل بہت دور ہے اور ہمیشہ آپؑ کی بارگاہ میں پہنچنا بہت دشوار ہے لہٰذا میں کیونکر دین کے احکام اور معارف حاصل کر سکتا ہوں؟

امام علیہ السلام نے اس کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: جب بھی تمہیں کوئی سوال پیش آئے تو تم زکریا ابن آدم سے معلوم کرلینا، اس لئے کہ وہ دین و دنیا میں امین ہیں۔[1]

۴۔ محمد بن اسماعیل بن بزیع

آپا کا شمار ساتویں امام حضرت موسی ابن جعفر، آٹھویں امام حضرت علی رضا اور نویں امام حضرت امام جواد علیہم السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے، شیعوں کے نزدیک معتمد اور موثق صحابی شمار کئے جاتے ہیں، آپ ایک نیک، صالح، عابد وزاہد اور کئی کتابوں کے مولف بھی رہے ہیں، آپ عباسی حکومت میں ان کے عامل بھی تھے[2]، اسی موضوع سے متعلق ایک روز امام رضا علیہ السلام نے آپ سے فرمایا:

ظالموں کے دربار میں خدا کے کچھ ایسے بھی بندے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنی دلیلوں کو آشکار اور مختلف شہروں میں انہیں قدرت و طاقت عنایت کرتا ہے تاکہ وہ اپنے ہم عقیدہ دوستوں اور اولیا کو ظالموں کے ظلم سے امان میں رکھ سکے اور مسلمانوں کے امور کی پوری طرح دیکھ بھال اور انہیں سلجھا سکے، ایسے لوگ حقیقت

---

[1]۔ کشی، رجال، ص ۵۹۵

[2]۔ نجاشی، الرجال، ص ۲۵۴

میں مصیبت و بلا میں کمزور لوگوں کی پناہگاہ ہوتے ہیں، ضرورتمند اور ستمدیدہ شیعہ ان کی طرف مراجعہ کرتے ہیں اور اپنی مشکلات کی برطرفی اور خلاصی کے لئے درخواست کرتے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ خداوند عالم مومنوں کو ستمگروں کے خوف سے امان میں رکھتا ہے، ایسے لوگ حقیقی مومن اور زمین پر خدا کے امین ہوتے ہیں، آخرت ایسے ہی لوگوں کے نور سے نورانی ہوگی، خدا کی قسم! ایسے لوگوں کے لئے جنت خلق ہوئی ہے اور وہ جنت کے لئے خلق کئے گئے ہیں، بے شک جنت انہیں کو مبارک ہو۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: تم سے جو چاہے مذکورہ مقامات کا مالک بن سکتا ہے۔

محمد بن اسماعیل نے عرض کیا: میری جان آپ پر قربان ہو، کون سی چیزیں ہم حاصل کر سکتے ہیں؟

فرمایا: یہ کہ وہ ظالموں کے ساتھ رہے لیکن ہمارے شیعوں کے دلوں کو مسرور کر کے ہمیں خوشحال کرے (ایسا شخص جس مقام و منصب پر فائز ہوتا ہے وہ مومنوں کے سر سے ظالموں کے ظلم کو دور کرنے میں مشغول رہتا ہے۔

اس واقعہ کے آخر میں امام رضا علیہ السلام محمد بن اسماعیل کو جو عباسی دربار میں وزارت کے عہدہ پر فائز تھے، فرماتے ہیں: اے محمد! تم بھی انہیں لوگوں میں سے رہو۔[1]

حسین بن خالد کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں کچھ لوگوں کے ہمراہ امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب تھا، کہ اثنائے گفتگو محمد بن اسماعیل بزیع کا تذکرہ چھڑ گیا، امام علیہ السلام نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تمہارے درمیان ویسا ہی ایک شخص رہے۔[2]

محمد بن احمد بن یحییٰ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ محمد بن علی بن بلال کے ہمراہ مکہ کے راستے میں واقع ایک مقام" فید"گیا تاکہ وہاں محمد ابن اسماعیل کی قبر کی زیارت کرسکوں، محمد بن علی روبقبلہ قبر کی داہنی طرف بیٹھے اور فرمایا جو بھی ایک مومن کی قبر کی زیارت کرے اور اس کی قبر کے پاس روبقبلہ بیٹھے اور اپنے ہاتھوں کو اس کی قبر پر رکھ کر سات مرتبہ سورہ مبارکہ قدر کی تلاوت کرے تو وہ قیامت کی خوفناک اور جان لیوا وحشت سے امان میں رہے گا۔[3]

محمد بن اسماعیل بن بزیع کہتے ہیں: میں نے امام جواد علیہ السلام سے درخواست کی کہ میرے لئے اپنا کوئی لباس ارسال فرمائیں تاکہ میں اسے اپنا کفن بنا

[1] سابق حوالہ، ص ۲۵۵

[2]۔ سابق حوالہ

[3]۔ کشی، رجال، ص ۵۶۴

سکوں، آپؑ نے میرے لئے اپنا ایک پیراہن ارسال فرمایا اور مجھے حکم دیا کہ اس کے بٹن نکال لوں۔[۱]

[۱]۔ سابق حوالہ، ص ۲۴۶ و ۵۶۴

شہادت امامؑ

عباسی خلفا کا سب سے مکار اور حیلہ گر خلیفہ مامون ۲۱۸ ھ ق میں واصل جہنم ہوا۔

اس کی موت کے بعد اس کا بھائی معتصم خلافت کی مسند پر بیٹھا، معتصم مامون کی طرح چالاک اور ذہین نہیں تھا، اس نے امام جواد علیہ السلام کو ۲۲۰ ھ ق میں مدینہ سے بغداد طلب کیا تاکہ نزدیک سے آپ کے حالات کو زیر نظر رکھ سکے اور امام جواد علیہ السلام کو لوگوں کی نظر میں معاذ اللہ ذلیل و خوار کرنے کے لئے قسم قسم کے حیلے اور سازشیں کیں، انہیں میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے امام جواد علیہ السلام کو بڑے پیمانے پر منعقد ہونے والے علمی اور فقہی مناظرے میں شرکت کے لئے کہا لیکن اس کی منحوس نیت اور ظالمانہ اقدام کی وجہ سے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی امام جواد علیہ السلام کامیاب ہوئے اور اس علمی محفل میں علما و دانشوروں کے دلوں میں آپ کی علمیت کا سکہ بیٹھ گیا، انہیں موارد میں سے ایک وہ محفل ہے جس میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ پیش ہوا تھا۔

معتصم کے زمانے میں ابی ابی داود شہر بغداد کا قاضی القضاۃ تھا، اس نے اسی مسند پر چار عباسی خلفا مامون، معتصم، واثق اور متوکل کا زمانہ دیکھا اور اسی کے ہاتھ

میں لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے ہوا کرتے تھے، ابن ابی داود ایک فاسد اور عیاش قسم کا انسا تھا۔

زرقان جو ابن ابی داود کا جگری اور نزدیکی دوست تھا وہ کہتا ہے: ایک روز جب ابن ابی داود معتصم کے دربار سے واپس ہوئے تو میں نے انہیں غمگین پایا، جب ان سے غم واندوہ کا سبب دریافت کیا انہوں نے جواب دیا:

آج میرے ساتھ ایک ایسا حادثہ پیش آیا ہے کہ میں آرزو کرنے لگا تھا کہ اے کاش! میں بیس سال پہلے مر گیا ہوتا اور مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

سوال کیا: کیوں؟

جواب دیا: وہ مصیبت جو ابو جعفر امام جواد علیہ السلام کے ہاتھوں معتصم کے دربار میں میرے سر پر نازل ہوئی۔

سوال کیا: واقعہ کیا ہے، بیان کریں گے؟

جواب دیا: ایک شخص نے اپنی چوری قبول کرلی اور پھر خود اسی نے معتصم سے درخواست کی کہ اس پر اسلامی حد جاری کرکے اسے پاک کردیں، خلیفہ نے شہر کے تمام علما و فقہا کو جمع کیا اور ان کے محمد بن علی امام جواد علیہ السلام کو بھی دعوت نامہ بھیج دیا، جب ہم سب جمع ہوگئے تو اس نے سوال کیا: چوری کی سزا میں ہاتھوں کو کہاں سے کٹنا چاہئے؟

میں نے کہا: ہاتھوں کو گٹے سے کٹنا چاہیئے؟

سوال کیا: اس فتوے کی دلیل کیا ہے؟

میں نے جواب دیا: اس لئے کہ خداوند عالم قرآن کریم میں تیمّم کے مسئلہ میں فرماتا ہے: اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرو۔[1]

اس آیت میں ہاتھ گٹے سے انگلیوں تک مراد ہے۔

وہاں پر حاضر علما و فقہا کی ایک جماعت میری بات کی موافق تھی اور قائل تھی کہ چور کے ہاتھ گٹے سے کاٹے جائیں گے لیکن وہیں ایک دوسرا گروہ بھی تھا جو قائل تھا کہ چور کے ہاتھ کہنیوں سے کاٹے جائیں، جب معتصم نے ان سے دلیل مانگی تو انھوں نے قرآن شریف کی آیت کی تلاوت کی: چہرے کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ۔[2] یہاں پر ہاتھوں سے خداوند عالم کی مراد کہنیوں سے انگلیوں تک ہے۔

اس کے بعد معتصم امام محمد بن علی حضرت جواد علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور درخواست کی کہ آپؑ بھی اس مسئلہ میں اپنا نظریہ بیان فرمادیں؟

امام جواد علیہ السلام نے فرمایا: جب موجودہ فقہا نے اپنا نظریہ پیش کردیا ہے تو پھر مجھے اس مسئلہ میں اظہار نظر سے معاف کردو۔

معتصم نے اصرار کیا اور قسم دی کہ آپؑ ضرور اس مسئلہ میں اپنا نظریہ بیان کردیں۔

امام جواد علیہ السلام نے فرمایا: چونکہ مجھے قسم دی ہے لہٰذا اس مسئلہ میں اپنی رائے پیش کرتا ہوں، ابھی تک جو بھی فتوے اور نظریے پیش کئے گئے ہیں وہ سب

---

[1] ۔ قرآن کریم، سورہ مائدہ، آیت ۵

[2] ۔ سابق حوالہ

باطل ہیں اس لئے کہ چور کی صرف چار انگلیاں کاٹی جائیں گی اور بقیہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

خلیفہ نے کہا: اس فتوے کی دلیل کیا ہے؟

فرمایا: س لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: خداوند عالم کا سجدہ بدن کے ساتھ اعضا پیشانی، دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں دونوں پیر کے گھٹنے اور پیر کے دونوں انگوٹھوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے پس اگر ہاتھوں کو گٹے یا کہنیوں سے کاٹ دیا جائے تو اس کے ہاتھ ختم ہو جائیں گے اور وہ خدا کا سجدہ نہیں بجالا سکتا، اس کے علاوہ خداوند عالم نے فرمایا ہے: بدن کے جن سات اعضا کے ذریعہ سجدہ کیا جاتا ہے وہ خدا سے مخصوص ہیں پس خدا کے ساتھ کسی اور نہ پکارو اور اس کے غیر کی عبادت نہ کرو۔[1]

پس معلوم ہوا کہ جو چیز خدا سے مخصوص ہے ہر گز اسے نہیں کاٹا جا سکتا۔

عباسی خلیفہ معتصم کو امام جواد علیہ السلام کا جواب بہت پسند آیا اور حکم دیا کہ چور کی صرف انگلیاں کاتی جائیں، اس طرح میں اس علمی مجمع میں رسوا ہوا اور مجھے اس قدر شرمندگی ہوئی کہ وہیں میں اپنی موت کی دعائیں کرنے لگا تھا۔[2]

اسی واقعہ کے چند دنوں بعد بغض و حسد اور بے آبروئی کا انتقام لینے کے لئے ابن ابی داود عباسی خلیفہ معتصم کے پاس پہنچ گیا اور کہا: میں آپ کی بھلائی چاہتا ہوں اور اسی غرض سے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ ہماری آخری علمی محفل آپ کی حکومت کی صلاح و خیر کے خلاف تھی، اس لئے کہ آپ نے تمام علما و فقہا اور لشکر

---

[1] ۔ قرآن کریم، سورہ جن، آیت ۱۸

[2] ۔ عیاشی، التفسیر، ج۱، ص۳۱۹

کے سرداروں کے درمیان امام ابوجعفر حضرت جواد علیہ السلام کے فتوے کو قبول کیا جب کہ آدھے سے زیادہ مسلمان انہیں اپنا واقعی خلیفہ اور آپ کو غاصب سمجھتے ہیں ایسے حالات و شرائط میں امام ابو جعفرؑ کے فتوے کو دوسروں پر برتری دینا بالکل صحیح نہیں تھا ، یہ خبر مسلمانوں کے درمیان عام ہو گی اور شیعوں کی حقانیت کی کھلم کھلا دلیل بنے گی۔

معتصم جو اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ امام جواد علیہ السلام کو قتل کرنے کی مختلف سازشیں کر چکا تھا اور اپنے اندر امام جواد علیہ السلام سے دشمنی کا ہر سبب جمع کر چکا تھا، ابن ابی داود کی وسوسہ انگیز باتیں سن کر دوبارہ اس کے اندر امام جواد علیہ السلام کو قتل کرنے کا منحوس ارادہ بیدار ہوا اور اس نے آخر کار آپؑ کے قتل کا فیصلہ کر ہی لیا۔

ایک روز اس نے اپنے بعض وزیروں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا: تم لوگوں پر واجب ہے کہ سب مل کر ابو جعفر حضرت جواد علیہ السلام کے خلاف جھوٹی گواہی دو اور میرے نام خط لکھو کہ وہ میرے خلاف علم بغاوت بلند کرنا چاہتے ہیں اور قصد خروج رکھتے ہیں اور بنی عباس کی حکومت کا تختہ الٹ دینا چاہتے ہیں۔

تمام وزیروں نے معتصم کے سامنے اپنی موافقت کا اعلان کر دیا اور اس موضوع پر مشتمل ایک جھوٹا خط معتصم کے نام لکھ دیا۔

اس کے بعد اس نے امام جواد علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے بلند آواز میں کہنے لگا: کیوں میرے خلاف خروج کرنا چاہتے ہیں؟

امام جواد علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! میرے ذہن میں ہر گز ایسا کوئی خیال نہیں آیا ہے۔

معتصم نے کہا: میرے پاس اس مدعا کی دلیل ہے اور کچھ لوگ آپؑ کے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار ہیں، میں ابھی اور اسی وقت انہیں حاضر ہونے کا حکم دیتا ہوں تا کہ وہ آپ کے سامنے گواہی دیں اور آپ کے خروج سے متعلق اپنے شواہد پیش کریں۔

معتصم کے حکم سے مقررہ سازش کے تحت سارے وزیر جمع ہو گئے اور سب نے مل کر کہا: ابو جعفر امام جواد علیہ السلام حکومت وقت کے خلاف خروج کا قصد رکھتے ہیں اور انہوں نے اس موضوع پر مشتمل اپنے غلاموں اور شیعوں کو مختلف خطوط بھی تحریر کئے ہیں، ہمارے پاس ان خطوط میں سے بعض جنہیں ہم نے ان کے غلاموں اور چاہنے والوں سے حاصل کیا ہے، ہمارے پاس موجود ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے وہ سارے خطوط معتصم کے حوالے کر دیئے۔

امام جواد علیہ السلام اس وقت ایوان میں تشریف فرما تھے، اسی وقت اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند اور کہا: خدایا! اگر ان لوگوں نے میرے خلاف جھوٹی گواہی دی ہے تو انہیں اپنی عقوبت کا مزہ چکھادے۔

اس بد دعا کے ختم ہوتے ہی زمین میں زلزلہ پیدا ہوا اور اتنا شدید تھا کہ وہاں پر موجودہ تمام لوگ اگر اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگنا چاہتے تھے تو اٹھتے ہی زمین پر دوبارہ منھ کے بل گر جاتے تھے، معتصم یہ حالت دیکھ نہایت خوفزدہ ہوا اور ہراساں ہو کر امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں التماس کرنے لگا: اے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے! میں

اپنی بات سے توبہ کرتا ہوں اور پشیمان ہوں، دعا کریں خداوند عالم اس زلزلہ کی بلا ہم سے ٹال دے۔

امام جواد علیہ السلام نے دوبارہ دعا کی اور زمین دوبارہ ساکت ہو گئی۔[1]

اس کے باوجود معتصم باز نہ آیا اور اس نے بغض و حسد کی آگ میں جلتے ہوئے اپنی منحوس نیت کو عملی جامہ پہنادیا اور امام جواد علیہ السلام کو ماہ ذیقعدہ کی آخری تاریخ میں ۲۲۰ھ میں زہر سے شہید کردیا۔

امام جواد علیہ السلام کے جسم نازنین کو آپؑ کے جدامجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس قبرستان قریش میں دفن کردیا گیا جسے آج کاظمین کہا جاتا ہے اور اہلبیت علیہم السلام کے چاہنے والوں اور مسلمانوں کا ملجا و ماویٰ اور زیارتگاہ ہے۔[2]

خدا کا ہزاروں درود سلام ہو آپؑ پر اور آپؑ کے اجداد طاہرین علیہم السلام پر۔

[1]۔ شیخ عباس قمی، منتہی الآمال، ص ۹۵۳

[2]۔ شیخ مفید، ارشاد، ص ۳۰۷

زریں باتیں

ائمہ معصومین علیہم السلام کے کلام آفتاب علم کی شعاع اور معارف الٰہی کے بے کراں سمندر کے قطرات ہیں جو ہر دور اور ہر نسل کے لئے روشن چراغ اور ہدایت کرنے والے ہیں۔

یہ وہ معصوم ہستیاں ہیں جو ہر قسم کی خطا، گمراہی، کج فکری اور انحراف سے پاک و منزہ ہیں، ان کی ہدایتیں انسانی زندگی کے صرف ایک پہلو کو شامل نہیں ہوتیں بلکہ اس کے تمام پہلوؤں کو بھی شامل ہوتی ہیں اور ان کی ہدایت کا باعث ہیں، اسی طرح ان کی ہدایت کسی خاص فرد اور قوم سے مخصوص نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت کے لئے چراغ راہ ہیں جو انہیں کمال کی منزلوں کی جانب ہدایت کرتی ہیں اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتی ہیں۔

اس وقت ہم نویں امام حضرت امام جواد علیہ السلام کی نورانی کلام کے صرف ایک حصہ کو خود اہل سنت کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں اور امیدوار ہیں کہ ہم انہیں اپنی زندگی کا چراغ راہ اور باعث ہدایت قرار دیں۔

۱۔ جو شخص خدا پر بھروسہ اور اس پر توکل کرتے ہوئے مخلوقات سے روئے نیاز پھیر لے تو لوگ اس کے نیاز مند ہو جاتے ہیں اور جو پرہیزگاری کو اپنا وطیرہ بنا لے تو وہ لوگوں کا چہیتا بن جاتا ہے۔[1]

۲۔ انسان کا کمال عقلمندی میں ہے۔[2]

۳۔ کمال مروت یہ ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ ویسا برتاؤ نہ کرے جیسا اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔[3]

۴۔ جس کام کا وقت نہ ہو اس کام کو قبل از وقت انجام نہ دو و گرنہ پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے گا اور طولانی آرزوئیں نہ کرو کہ سنگدلی کا باعث ہے، اپنے ضعیفوں پر رحم کرو اور ان کے ساتھ رحم و مروت سے پیش آؤ اور اس کے ذریعہ خدا کی رحمت کے طلبگار بنو۔[4]

۵۔ جو بھی کسی برے کام کو اچھا سمجھے وہ اس کام کی برائی میں برابر کا شریک ہوگا۔[5]

۶۔ ظالم، ظالم کی مدد کرنے والے، ظالم کے ظلم پر راضی رہنے والے سبھی ظالم کے ظلم کے برابر کے شریک ہیں۔[6]

---

[1]۔ شبلنجی، نور الابصار، ص ۱۸۰

[2]۔ ابن صباغ مالکی، الفصول المہمہ، ص ۲۹۰

[3]۔ شبلنجی، نور الابصار، ص ۱۸۰

[4]۔ ابن صباغ مالی، فصول المہمہ، ص ۲۹۰

[5]۔ شبلنجی، نور الابصار، ص ۱۸۰

[6]۔ ابن صباغ مالکی، فصول المہمہ، ص ۲۹۱

۷۔ جو بھی اپنے مومن بھائی کو تنہائی میں نصیحت کرے تو اس نے گویا اسے زینت بخشی ہے اور جو کھلم کھلا سب کے سامنے نصیحت کرے تو اس نے گویا اس کی سماجی شخصیت کو تباہ کر دیا ہے۔[1]

۸۔ دل کے ساتھ خدا کو یاد کرنا اعضائے بدن کو عمل کے لئے حرکت دینے سے بہت بہتر ہے۔[2]

۹۔ جس دن ظالم سے اس کے ظلم و ستم کا حساب لیا جائے گا وہ دن مظلوم پر کئے گئے دن سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔[3]

۱۰۔ قیامت کے دن ایک مسلمان کے نامہ اعمال کا عنوان حسن خلق ہوگا۔[4]

۱۱۔ تین چیزیں خطا کی خوشنودی کا باعث ہیں؛

خدا کی بارگاہ میں زیادہ سے زیادہ طلب بخشش کرنا

لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا

بہت زیادہ صدقہ دینا

تین خصلتیں ایسی ہیں جو جس میں جمع ہوں گی وہ ہرگز پشیمانی کا منہ نہیں دیکھے گا؛

کاموں میں جلد بازی نہ کرنا

۱۔ شبلنجی، نور الابصار، ص۱۸۰

۲۔ ابن صباغ مالکی، فصول المہمہ، ص۲۸۹

۳۔ سابق حوالہ، ص۲۹۱

۴۔ شبلنجی، نور الابصار، ص۱۸۰

کام کرنے سے پہلے مشورہ کرنا

مشورہ کے بعد خدا پر بھروسہ کرنا۔[۱]

۱۲۔ جو بھی کسی سے امید رکھے تو اس کی سب سے چھوٹی عقوبت محرومیت ہے۔[۲]

۱۳۔ جو بھی غیر خدا سے امید رکھے گا تو خدا بھی اس شخص کو اس کے حوالے کردے گا اور جو بھی علم و آگاہی کے بغیر کوئی کام انجام دے تو وہ ہمیشہ بنانے سے زیادہ بگاڑتا ہے۔[۳]

۱۴۔ نیکوکاروں کے لئے نیکی کرنے کی ضرورت نیازمندوں کی ضرورت سے کہیں زیادہ شدید ہے اس لئے کہ نیکوکاروں کی نیکی نیک جزا، افتخار اور شہرت کا باعث ہے، پس جب بھی وہ کوئی نیک کام انجام دیتے ہیں تو انہوں نے گویا سب سے پہلے اپنے لئے نیکی کی ہے۔[۴]

۱۵۔ پرہیزگاری فقر کی زینت ہے۔

شکر توانگری کی زینت ہے۔

صبر بلا کی زینت ہے

فروتنی مقام اور بزرگی کی زینت ہے۔

---

[۱] ۔ ابن صباغ مالکی، فصول المہمہ، ص، ص۲۹۱

[۲] ۔ شبلنجی، نور الابصار، ص۱۸۰

[۳] ۔ ابن صباغ مالکی، فصول المہمہ، ص۲۸۹

[۴] ۔ شبلنجی، نور الابصار، ص۱۸۰

گویائی سخن کی زینت ہے۔

اچھی طرح حفاظت کرنا روایت کی زینت ہے۔

تواضع علم و دانش کی زینت ہے۔

ادب، عقل و خرد کی زینت ہے۔

گشادہ روئی کرم اور بخشش کی زینت ہے۔

حضور قلب اور توجہ نماز کی زینت ہے۔

بیہودہ کاموں کو ترک کرنا تقوا اور پرہیزگاری کی زینت ہے۔[۱]

جو بھی خدا پر توکل کرتا ہے اور اسی پر بھروسہ کرتا ہے تو خداوند عالم اسے ہر برائی سے نجات دیتا ہے اور ہر قسم کے دشمن سے حفاظت کرتا ہے۔[۲]

۱۷۔ دین سربلندی کا باعث ہے۔

دین کو بدعت سے زیادہ کوئی چیز تباہ نہیں کرتی۔

کوئی بھی چیز طمع اور لالچ سے زیادہ ایک مرد کو فاسد نہیں بناتی۔

ایک لائق اور نیکوکار حکمراں کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

دعا اور خدا سے التجا کے ذریعہ بلا دور ہوتی ہے۔[۳]

۱۸۔ انسان کا نزول بلا پر صبر کرنا سرزنش کرنے والے دشمن کے لئے خود سرزنش اور ایک مصیبت ہے۔[۱]

۱۔ ابن صباغ مالکی، فصول المہمہ، ص ۲۹۱

۲۔ شبلنجی، نور الابصار، ص ۱۸۱

۳۔ ابن صباغ مالکی، فصول المہمہ، ص ۲۹۰

۱۹۔ وہ شخص کیونکر تباہ ہوسکتا ہے جس کا سرپرست خدا ہو اور وہ شخص کیونکر فرار ہوسکتا ہے جس کے تعاقب میں خدا ہو۔[۲]

۲۰ ایک شخص نے امام جواد علیہ السلام سے درخواست کی اسے ایک چھوٹے جملہ کے ذریعہ نصیحت فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ایسے کاموں سے اپنی حفاظت کرو جو دنیا میں ننگ و عار اور آخرت میں عذاب کا باعث ہوتے ہیں۔[۳]

خدایا! ہمیں بندگی اور اسلام کی روح پرور تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرما۔

آمین رب العالمین

والسلام

---

[۱]۔ شبلنجی، نورالابصار، ص ۱۸۰

[۲]۔ ابن صباغ مالکی، فصول المہمہ، ص ۲۸۹

[۳]۔ قاضی نوراللہ شوستری، احقاق الحق، ج ۱، ص ۲۳۹

سیری کوتاه در زندگی
چهارده معصوم
۱۱

برگزیدگان

حضرت
امام محمّد جواد
علیه السلام

برای نوجوانان